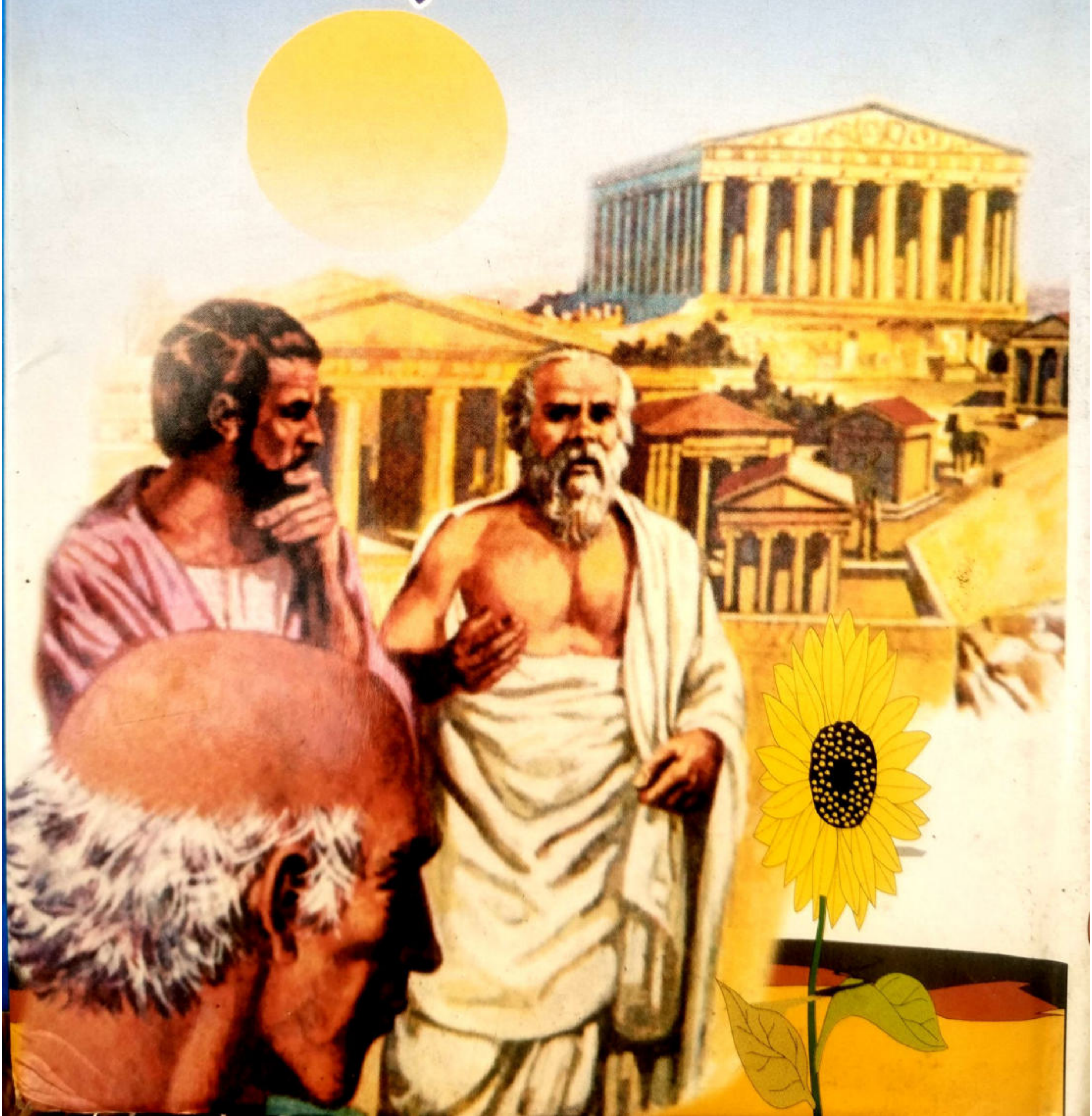
ساڑھے تین دن کی زندگی

(ناول)

احمد عقیل روبی



عقیل روبی کے اسلوب نے مجھے بے حد مسرور کیا۔ میں نے اسے بسترِ علالت میں پڑھا ہے۔ مایوسی، بیچارگی، نا اُمیدی کی حالت میں اِسے پڑھتے ہوئے میں پھر سے جی اُٹھا ہوں۔ دمِ صالح میری رگوں میں دوڑنے لگا ہے۔ روبی کا تازہ، خوبصورت، دل چسپ منفرد لہجہ اور اسلوب پڑھ کر میں نے محسوس کیا ہے کہ دنیا رہنے کے لیے کوئی بری جگہ نہیں۔

محمد خالد اختر

خوش فکر شاعر موسیقی کے رموز سے آگاہ، فلموں کا رسیا، مقبول پروفیسر، دانش، یونان کا دلدادہ، ہندو اساطیر کا ماہر، عقیل روبی کی شخصیت کے یہ متنوع پہلو اس کی تحریروں میں جا بجا جلوہ گر ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر سلیم اختر

انسانوں کی بستی میں، جہاں ہر کوئی کنجی سے کھلتا ہے، ایک آدھ لاک ماسٹر بھی ہوتا ہے، جس کے پاس ہر قسم کی کنجی ہوتی ہے، جو ہر قسم کا قفل کھول لیتا ہے۔ ہمارے شہر میں بھی ایک کاریگر ''کلید بردار'' ہے جس نے پہچان کے لیے اپنے ''ایپرن'' پر سامنے بائیں ہاتھ ٹیگ لگایا ہوا ہے۔۔۔ عقیل روبی لاک ماسٹر

سجاد حیدر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ساڑھے تین دن کی زندگی

ساڑھے تین دن کی زندگی

(ناول)

احمد عقیل روبی

ذخیرہ کتب

انیس نقوی

الحمد پبلی کیشنز

رانا چیمبرز۔ سیکنڈ فلور۔ (چوک پرانی انارکلی)۔ لیک روڈ۔ لاہور

☎ 7310944-7231490

ہماری کتابیں .....

خوبصورت، معیاری اور

کم قیمت کتابیں

تزئین و اہتمام اشاعت

صفدر حسین

ذخیرہ کتب

انیس نقوی

ضابطہ:۔

اشاعت : دسمبر 2007ء

مطبع : شرکت پریس لاہور

سرورق : ریاظ

قیمت : 150 روپے

انتساب

انتظار حسین

کے نام

﴾انتظار صاحب، جو بھی ہے، جیسا بھی ہے، آپ کی نذر﴿

احمد عقیل روبی

پیش لفظ

''ساڑھے تین دن کی زندگی'' میرا دیرینہ خواب ہے۔ جو برسوں سے میں مسلسل دیکھ رہا تھا۔ اس سے پیشتر کہ آنکھیں احتجاج کرتیں اور خواب دیکھتے دیکھتے اُکتا جاتیں میں اس خواب کو تحریری شکل میں لے آیا ہوں۔ اور اب یہ خواب آپ کو دکھانا چاہتا ہوں۔

احمد عقیل روبی

پروفیسر رمزے نے ہاتھ بڑھا کر میز پر رکھے ٹائم پیس کا بجتا الارم بند کیا۔ چہرے سے کمبل ایک طرف ہٹایا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سرہانے رکھا سگریٹ کا پیکٹ اٹھایا ہاتھ بڑھا کر میز پر رکھا لائٹر اٹھا کر سگریٹ جلائی۔ 7 بجے تھے۔ یونیورسٹی میں اس کا لیکچر 9 بجے شروع ہوتا تھا۔ رات وہ 2 بجے تک اپنا لیکچر تیار کرتا رہا تھا۔ کتابیں، کاغذ اور رسالے چاروں طرف بکھرے پڑے تھے۔ وہ انہیں دیکھ کر مسکرایا اور زیرلب بڑبڑایا۔

''وہ آ کر پھر ڈانٹے گی ......

''آپ کی بے ترتیب چیزوں کو سلیقے سے ترتیب دینے کے لئے اوپر سے کوئی فلسفی ہی اترے گا۔''

کتابوں، رسالوں کو ترتیب سے رکھتے ہوئے ایک دن یہی کہا تھا شیبا نے۔

''لیکن فلسفی ہی کیوں اترے گا؟''

رمزے نے پوچھا۔

''آپ ہی تو کہا کرتے ہیں، خدا نے بے ترتیب کائنات بنائی اور پھر

اسے ترتیب دینے کے لئے فلسفی کو بھیجا۔"

پروفیسر رمزے پلنگ سے اٹھا اور کتابوں اور کاغذات کو ترتیب سے رکھنے لگا۔ رات کا تیار کیا ہوا لیکچر سنبھال کر رکھا اور پھر غسل خانے کی طرف چلا گیا۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ بالوں میں انگلیاں پھیر کر انہیں پیچھے کی طرف سیدھا کیا اور باورچی خانے میں چلا گیا۔ کیتلی میں پانی ڈال کر اسے چولہے پر رکھا اور چولہا جلا دیا۔ پانی ابلنے لگا تو دراز سے چائے کا ڈبہ نکالا جو خالی تھا۔

"Shit...... چائے کی پتی تو ہے ہی نہیں۔"

پروفیسر رمزے نے خالی ڈبہ ڈسٹ بن (Dust-Bin) میں پھینک کر بڑبڑایا۔

"گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

شیبا نے باورچی خانے میں داخل ہو کر کہا......

"چائے کی پتی میں لے آئی ہوں۔"

6 فٹ ایک انچ لمبی گوری چٹی شیبا نے ایک مومی تھیلا میز پر رکھا۔ جین اور جیکٹ میں ملبوس شیبا کے بال کاندھوں پر لہرا رہے تھے۔

پروفیسر رمزے نے اسے حیرانی سے دیکھ کر کہا......

"تم اتنی صبح۔ ابھی تو سات بجے ہیں۔"

"ہاں۔ سات بجے ہیں۔ آج فلائنگ کلب میں میری Turn تھی۔ 6 سے سات ایک گھنٹہ جہاز چلا کر آ رہی ہوں۔ سوچا ناشتہ آپ کے ساتھ کرتی ہوں۔

ویسے بھی میں نے رات دیکھ لیا تھا، چائے کی پتی نہیں ہے۔ آپ صبح صبح کہاں مارکیٹ جائیں گے۔''

شیبا نے یہ سارا کچھ شاپر سے چیزیں نکالتے ہوئے کہا۔ چائے کا ڈبہ کھول کر چائے دانی میں پتی ڈالی اور پروفیسر رمزے کی طرف دیکھ کر بولی:

''مہربانی فرما کر آپ چلیں۔ میں چائے لے کر آتی ہوں۔''

شیبا نے یہ بات اتنے تحکمانہ لہجے میں کہی کہ پروفیسر رمزے انکار نہ کر سکا۔ مسکرا کر تھینک یو کہا اور باورچی خانے سے باہر چلا گیا۔

شیبا ایک ریٹائر کرنل کی اکلوتی بیٹی تھی۔ کرنل جنگ عظیم میں برما کے محاذ پر لڑتے ہوئے مارے گئے تھے۔ کروڑوں کی جائیداد کی وہ اکیلی وارث تھی۔ شہر کے پوش علاقے میں 2 کنال کی خوبصورت کوٹھی تھی جس میں وہ اس کی ماں دو ملازم اور چار کتے ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔ شیبا یونیورسٹی میں انگریزی ادب میں ماسٹر کر رہی تھی۔ ادب اور پروفیسر رمزے اس کی کل کائنات تھے۔ کار چلانا اور جہاز اڑانا اس کے خاص مشغلے تھے۔ پروفیسر رمزے کے ساتھ بیٹھنا، اس کی باتیں سننا، اس کی عادت بن چکی تھی۔ یونیورسٹی کے سمارٹ اور دل پھینک لڑکے اسکی ایک نظر کے لئے دل کا دامن پھیلائے پھرتے تھے مگر اس کی نظر جب بھی اٹھتی سب سے پہلے پروفیسر رمزے پر جا پڑتی۔ اتنی خوبصورت لڑکی کا پروفیسر رمزے کا سایہ بن کر اس کے ساتھ ساتھ پھرنا سب کے لئے عذاب جان تھا مگر شیبا کوئی پرواہ نہیں کرتی تھی

......ایک دن اس کی سہیلی ڈیزی نے اس سے پوچھا......

''آخرتم کیا چاہتی ہو؟''

''افلاطون کی طرح سقراط کے ساتھ ساتھ چلنا چاہتی ہوں۔''

ڈیزی نے معصومیت سے پوچھا......

''By the way۔سقراط کون ہے اور افلاطون کون؟''

''سقراط پروفیسر رمزے اور میں......''

ڈیزی نے بات کاٹی اور کہا......

''اس کا مطلب ہے تم منتظر ہو کہ سقراط زہر کا پیالہ پیئے اور تم بعد میں اس کی ایک ایک بات کو تحریر میں لاؤ۔''

شیبا نے پیار بھرے غصے میں کہا......

''مجال ہے کوئی پروفیسر رمزے کو زہر کا پیالہ پیش کرے، میں گولی سے اڑا دوں گی۔''

پروفیسر رمزے کے بارے میں شیبا کے ان خیالات سے پورا ڈیپارٹمنٹ واقف تھا۔ خاص طور پر صدر شعبہ جس کی جہالت اور بناوٹی رکھ رکھاؤ کی کہانیاں پوری یونیورسٹی میں مشہور تھیں۔ پروفیسر رمزے جب لندن سے پی۔ ایچ۔ ڈی کر کے واپس لوٹا تو صدر شعبہ نے یونیورسٹی میں اس کے تقرر کی بڑی مخالفت کی۔ وائس چانسلر نے ایک تقریب میں صدر شعبہ سے پوچھا......

''مسٹر خان۔ رمزے بڑا پڑھا لکھا آدمی ہے کئی کتابیں لکھ چکا ہے آپ نے اپنی رپورٹ میں بڑا Nagitive نوٹ لکھا ہے، کیوں......؟''

مسٹر خان نے اپنے دانتوں میں مرغ کی ہڈی چباتے ہوئے جواب دیا:

''وہ ادب پڑھاتے ہوئے بڑی ہوائی باتیں کرتے ہیں۔ میرے ڈیپارٹمنٹ کے باقی لوگوں سے اس کی بنتی نہیں لندن جانے سے پہلے لوگوں کو یہی اعتراض تھا کہ وہ انہونی باتیں کرتے ہیں۔''

وائس چانسلر نے مسکرا کر کہا......

''لوگوں سے کہیں کہ وہ ادب پڑھا کریں۔ ویسے میں نے انہیں آپ کے ڈیپارٹمنٹ میں اپوائنٹ کر دیا ہے پروفیسر رمزے ہمارے لئے انمول رتن ہیں۔''

پروفیسر رمزے کی ڈیپارٹمنٹ میں آمد بند کمرے میں کھلنے والی کھڑکی تھی جس میں سے تازہ ہوا آتی تھی۔ طالب علموں کے کمہلائے چہرے کھل گئے تھے۔ ادب کے مباحث ہونے لگے۔ روائتی Notes کی ریت پر سونے والے طالب علم نئی اور اوریجنل آواز پر جاگنے لگے۔ ایک دن پروفیسر خان حسب معمول کلاس میں آئے اور نوٹس لکھوانے کے لئے فائل کھولی تو شیبا نے کھڑی ہو کر کہا......

''......سر۔ ان نوٹس میں کچھ اضافہ کر لیجئے ان سے اب گئے دس سالوں کی بُو آنے لگی ہے۔ ادب اب کافی آگے جا چکا ہے......''

پروفیسر خان نے اپنا چشمہ درست کیا اور بولے......

''یہ تم نہیں بول رہی، پروفیسر رمزے بول رہے ہیں۔ بیٹھو اور لکھنا شروع کرو۔''

پروفیسر رمزے کو شیبا کی اس بات کا پتہ چلا تو اس نے کہا......

''تم نے اچھا نہیں کیا شیبا۔ بات کبھی پرانی نہیں ہوتی چاہے وہ نئی ہو یا دس سال پرانی۔''

''لیکن اس کے لئے شرط ہے سر کہ بات اچھی ہو۔''

شیبا نے جواب دیا۔

پروفیسر رمزے ملک کے وسطی حصے کے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا۔ بچپن میں ماں باپ مر گئے۔ اس کے ماموں نے اس کی پرورش کی۔ گاؤں کے پرائمری سکول میں داخل کرا دیا۔ رمزے نے پورے سکول میں فرسٹ آ کر سکالر شپ حاصل کیا۔ گاؤں والوں نے چندہ جمع کر کے اسے شہر پڑھنے کے لئے بھیج دیا۔ سکول میں رمزے نے ہر امتحان میں نمایاں اور امتیازی حیثیت میں امتحان پاس کیا۔ شہر کی ایک فرم نے اسے سکالر شپ دے دیا اور ایم اے تک ملتا رہا۔ ایم اے میں رمزے نے اگلے پچھلے سارے ریکارڈ توڑ دیئے۔ اتنے نمبر حاصل کئے کہ ہر طرف سے نوکری کی پیشکش ہونے لگی۔ یونیورسٹی میں نوکری کر لی۔ ایک سال بعد یونیورسٹی سکالر شپ پر باہر چلا گیا۔ Ph.D کر کے واپس آیا تو وائس چانسلر نے مسٹر خان کی مخالفت کے باوجود عالمی ادب کے ڈیپارٹمنٹ میں تقرری کر دی۔

پروفیسر رمزے باورچی خانے سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ بکھری کتابوں کو دوبارہ ترتیب دینا شروع کر دیا۔ کاغذات ادھر ادھر کئے۔ اتنے میں شیبا چائے کی ٹرالی لے کر آ گئی۔

''میں ناشتہ بھی لے آئی ہوں۔''

''اچھا کیا تم نے۔''

پروفیسر رمزے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ سامنے چائے کی ٹرالی رکھی تھی۔ ٹوسٹ، مکھن، فرائی انڈے اٹھا کر شیبا نے میز پر رکھے اور بولی......

''دوسری سگریٹ آپ ناشتے کے بعد پئیں گے۔''

پروفیسر رمزے نے شیبا کو دیکھا اور سوچا بچپن میں ماں بھی اسی طرح حکم چلایا کرتی تھی۔

''...... پہلے ہاتھ دھولو...... پھر کھانا کھانے کیلئے میز پر آنا...... کھانے سے پہلے پانی کا گلاس پی لو...... پھر کھانا شروع کرنا......''

شیبا نے چائے کی پیالی پروفیسر رمزے کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا:

''آپ کہاں کھو گئے تھے سر؟''

''کافی دور چلا گیا تھا۔'' چائے کی پیالی پکڑ کر پروفیسر رمزے بولا۔

''تمہاری مہربانی۔ تمہاری کچھ حرکات اور عادات مجھے کبھی کبھی وہاں دھکیل دیتی ہیں جہاں جا کر مجھے بہت سکون ملتا ہے میں وہاں جا کر واپس نہیں آنا چاہتا مگر آنا پڑتا ہے نوکری جو کرنا پڑتی ہے۔''

پھر ہنس کر گھڑی کی طرف دیکھا اور بولا......

''......آج نو بجے کلاس ہے۔ آٹھ بج گئے ہیں میں جلدی سے تیار ہو جاؤں۔''

رمزے نے جلدی سے وہ ٹوسٹ اٹھا کر کھایا جس پر شیبا مکھن لگا چکی تھی۔

چائے جلدی جلدی لی اور کرسی کے بازو پر رکھا تولیہ اٹھایا۔ سگریٹ سلگائی اور کھڑا ہو گیا اور بولا......

"Thank you for comming and doing all this."

''آپ روز روز یہ جملہ کیوں کہتے ہیں سر؟''

شیبا بولی۔

''تم روز روز یہ سب کچھ کیوں کرتی ہو؟''

پروفیسر نے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوئے کہا اور یہ کہہ کر وہ غسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

شیبا نے کپ رکھ کر اپنے آپ سے کہا......

''بات تو ٹھیک کہتے ہیں پروفیسر رمزے۔ میں روز آ کر ایسا کیوں کرتی ہوں؟''

پھر خود ہی مسکرا کر بولی......

''ٹھیک ہے کسی دن دل سے پوچھ کر بتلاؤں گی۔''

اور پھر اٹھ کر پروفیسر رمزے کے کمرے کی بے ترتیب چیزوں کو درست کرنے لگی۔

....

کلاس روم میں ہر طرف خاموشی کان کھولے پروفیسر رمزے کی باتیں سن رہی تھی۔ تمام لڑکے لڑکیاں پروفیسر رمزے کی طرف حیران نظروں سے یوں دیکھ رہے تھے جیسے فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ کے عصا کو اژدھا بنتے دیکھ کر تمام جادوگر اور درباری حیرت زدہ نظروں سے اژدھا کو چھوٹے چھوٹے سانپوں کو نگلتے دیکھ رہے تھے۔ پروفیسر رمزے محبت اور سقراط کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔

''سقراط کو جب یہ پتہ چلا کہ اگاتھن ایک دوشیزہ کی زلفوں کا اسیر ہو چکا ہے۔ فلسفے اور فنون لطیفہ کی طرف اس کی توجہ کم سے کم ہونے لگی ہے تو سقراط نے اگاتھن کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا......

"First sign in love is last of wiswom"

یہ بات سن کر شیبا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ رمزے کی طرف دیکھ کر اس نے اپنا ہاتھ کھڑا کیا۔ رمزے نے مسکرا کر کہا......

''تمہیں کوئی اعتراض ہے۔''

شیبا کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی......

''اعتراض نہیں سر۔ ذرا سا اختلاف ہے۔''

''کیا؟''

''کیا یہ محبت کی توہین نہیں؟''

پروفیسر رمزے نے ہاتھ سے انکار کرتے ہوئے کہا......

''توہین نہیں۔ محبت کی طاقت کی بات ہے۔ محبت اور عقل جب آمنے سامنے آ کر کھڑی ہوتی ہیں تو عقل کو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنا پڑتا ہے۔''

شیبا نے مسکرا کر کہا......

''اس کا مطلب ہے عقل مند آدمی کو محبت سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اگر وہ محبت کرے گا تو عقل کی پونجی کھو بیٹھے گا اور بے وقوف کہلائے گا۔''

''ایسی بات نہیں۔ محبت اور عقل میں اسے ایک توازن اور Balance رکھنا چاہئے۔ دونوں چیزیں زندگی برباد کرنے کے لئے بڑی مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی زیادہ دانش مندی بھی آدمی کو ڈبو دیتی ہے اور کبھی کبھی محبت کی شدت بھی آدمی کا سب کچھ لے جاتی ہے۔''

اور پھر پروفیسر رمزے نے شیبا کی طرف دیکھ کر کہا......

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں
اِس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی

شیبا نے پروفیسر رمزے کو بہت غور سے دیکھا لیکن اس کے دیکھنے میں ایک عجیب دیوانگی اور پاگل پن تھا اور پھر اس نے ایک لمبی سانس لی اور کہنے لگی......

''اس خرابی اور خواری میں بھی تو ایک مزہ ہے سر!''

پروفیسر رمزے نے ہنس کر کہا......

''اس موضوع پر کسی دن پھر بات ہوگی۔''

اسی دوران گھنٹی بجی اور پروفیسر رمزے نے اپنی فائل اٹھا کر کہا......

''اب میری دشمن جاں گھنٹی مجھے جانے کے لئے کہہ رہی ہے۔''

پروفیسر رمزے جانے کے لئے مڑا تو پچھلے بنچوں پر بیٹھے روکی نے کھڑے ہو کر کہا......

''سر ہم نے جو Picnic پر جانے کا پروگرام بنایا تھا اس کا کیا بنا؟''

پروفیسر رمزے نے شیبا کی طرف اشارہ کر کے کہا......

"She knows the detail of that programme."

شیبا سے پوچھو وہ تمہیں ساری تفصیل بتلا دے گی۔ مجھے صرف اتنا پتہ ہے کہ پرسوں جانا ہے۔ رات ہم دامن کوہ میں گزاریں گے اور دوسرے دن واپسی ہوگی۔''

پروفیسر رمزے یہ کہہ کر چلے گئے ...... روکی نے شیبا کی طرف دیکھا اور پھر دانت پیس کر کہنے لگا......

''دنیا کیا سے کیا ہو گئی۔ مگر رمزے اور شیبا اب تک اٹوٹ انگ بنے ہوئے ہیں۔ خدا جانے رمزے کے درخت سے شیبا نامی ٹہنی کب ٹوٹ کر میرے ہاتھ آئے گی۔''

قریب بیٹھے ہوئے ٹونی نے ہنس کر کہا......

''کبھی نہیں۔''

روکی اس کی بات کا جواب دیئے بغیر سیدھا شیبا کے پاس گیا اور مسکرا کر اس کے برابر بیٹھ گیا اور سارا غصہ بھول کر شیبا کو محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ شیبا کچھ لکھ رہی تھی۔ لکھتے لکھتے کن انکھیوں سے روکی کو دیکھ کر بولی......

''چیزوں کو مسلسل گھور کر دیکھنے سے آدمی اندھا بھی ہو جاتا ہے۔''

روکی نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا......

''اندھا پن منظور ہے۔مگر ایک شرط کے ساتھ۔''

شیبا نے اس سے پوچھا ہی نہیں کہ وہ کون سی شرط ہے۔اپنی فائل بند کی اور روکی کی طرف دیکھ کر بولی......

''کیسے زحمت فرمائی آپ نے؟''

''تمہاری یہ عادت بہت اچھی ہے۔ جب غصے میں ہوتی ہو تو آپ کہہ کر فوراً عزت سے کلام کرنے لگتی ہو۔''

شیبا کھڑی ہو گئی اور مسکرا کر بولی......

''یہ عزت سے ہم کلامی نہیں، بلکہ ایک حد بندی ہے کہ اس سے آگے آؤ گے تو بدتمیزی ہو گی۔''

شیبا نے پھر ذرا نرم لہجے میں پوچھا......

''بولو کیا بات ہے؟''

''دامن کوہ میں Picnic کا پروگرام۔''

شیبا نے ہاتھ پر بندھی گھڑی پر ٹائم دیکھا اور کہنے لگی......

''ٹھیک ایک گھنٹے بعد کیفے ٹیریا میں تم لوگوں سے ملوں گی۔ پروگرام کی تفصیل میں نے لکھ لی ہے Computer Section سے کاپیاں نکلوا کر آتی ہوں۔''

یہ کہہ کر شیبا تیزی سے دروازے کی طرف چلی گئی اور روکی اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ ٹونی اس کے قریب آ کر کہنے لگا۔

''پروفیسر رمزے کے ہاتھ پر بیٹھی چڑیا کو اپنے پاس بلانا، دودھ کی نہر نکالنے کے برابر ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ مشکل...... چلو اٹھو۔ چل کر کیفے ٹیریا میں چائے پیتے ہیں۔''

روکی انگڑائی لے کر کھڑا ہوا اور دونوں کمرے سے باہر چلے گئے۔

....

روکی (Rocky) شہر کے میئر کا لاڈلا، اکلوتا، نالائق، دل پھینک، فضول خرچ بیٹا تھا۔ پڑھائی لکھائی سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ کالج صرف لڑکیوں سے ملنے اور اپنے دوستوں کیساتھ کیفے ٹیریا میں بیٹھ کر گپ شپ کرنے آتا تھا۔ وہ ہر ہفتے دو ہفتے بعد اپنے فارم ہاؤس میں Picnic کا پروگرام بنا لیتا تھا۔ جہاں اعلیٰ نسل کے گھوڑے موجود تھے۔ Swimming pool تھا۔ سو ایکڑ کے اس فارم میں زندگی کی ہر آسائش موجود تھی۔ میئر صاحب نے کلب بنایا ہوا تھا۔ جس کیساتھ ایک منی سینما گھر بھی تھا جہاں میئر صاحب کے دوست ہر ہفتے جا کر غیر سنسر

شدہ فلمیں دیکھتے تھے۔ وزیروں اور بڑے بڑے سیاسی لیڈروں کی اکثر دعوتیں ہوتی تھیں جن میں شوبز کی مشہور خواتین بڑی تعداد میں مدعو کی جاتی تھیں۔ ان دعوتوں اور ملن پارٹیوں کا نتیجہ تھا کہ روکی کا باپ گزشتہ دس سالوں سے میئر کی سیٹ پر سانپ بن کر بیٹھا تھا۔ اپوزیشن والوں نے احتجاج کی لاکھ بین بجائی مگر سرکار اور میئر پر کوئی اثر نہ ہوا۔ حکومتیں آئیں اور گئیں مگر میئر صاحب وہیں کے وہیں موجود ہیں۔

روکی نے اپنے باپ کا جُوٹھا کھایا تھا۔ گھوڑے کے بچے میں باپ کی کچھ نہ کچھ مشابہت تو ہوتی ہے۔ پارٹیاں اور دعوتیں دینے کا گُر اس نے اپنے باپ سے سیکھا تھا۔ روکی کا باپ اس سے اکثر کہا کرتا تھا جسے روکی نے اپنے ذہن کی تختی پر لکھ لیا تھا۔

دیکھو روکی۔ میرے نزدیک ترقی پڑھائی لکھائی میں نہیں۔ لاکھوں لوگ ڈگریاں لے کر دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔ ترقی کرنا ہے تو سوشل Relations بناؤ۔ سب کو اکٹھا کر کے انہیں کھلاؤ پلاؤ۔ عزت کرو۔ تحفے تحائف دو ...... ان کے دلوں میں اپنا نام جلی حروف میں لکھ دو۔ زندگی میں وہ کبھی تمہیں بھولیں گے نہیں اور تمہارے سارے کام سنور جائیں گے اور تمہاری ترقی کا گراف اونچا ہوتا چلا جائے گا۔"

روکی اس پر عمل کر رہا تھا۔ یونیورسٹی کے سارے پروفیسر اس کے فارم میں جانے کے لئے بے تاب رہتے تھے۔ فارم کے باغ کے موسمی پھل ہر پروفیسر کے

گھر جاتے تھے۔ پارٹیوں میں پروفیسر سر کے بل جاتے اور روکی ہر سال امتحان میں پاس ہو جاتا تھا۔ بس دو ہستیاں ایسی تھیں جنہوں نے روکی کو کبھی گھاس نہیں ڈالی تھی۔ ایک شیبا اور دوسرے پروفیسر رمزے۔ کیسی عجیب بات تھی کہ روکی کسی سے نہیں ڈرتا تھا، بس ان دونوں کے سامنے ان کی زبان نہیں کھلتی تھی۔ روکی جانتا تھا کہ شیبا پروفیسر رمزے کے نام پر جان دیتی ہے۔ لیکن وہ یہ بات کبھی زبان پر نہ لا سکا۔ شیبا کے سامنے جاتا تو اسے دیکھتا رہتا اور اس کے تیز لہجے میں باتیں سن کر واپس آجاتا۔ یونیورسٹی کے تمام سٹوڈنٹ جانتے تھے کہ شیبا اور پروفیسر رمزے ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ پروفیسر رمزے کو اس بات کا پتہ نہیں تھا لیکن شیبا کے دل کی دھڑکن رمزے کے نام سے چلتی تھی۔ پروفیسر رمزے شیبا کی ذہانت سے بہت متاثر تھا اور جانتا تھا کہ وہ اس کے اردگرد اس لئے منڈلاتی ہے کہ اسے علم حاصل کرنے کا بہت جنون ہے اور وہ پروفیسر رمزے کو بہت عقیدت سے دیکھتی ہے لیکن شیبا عقیدت سے بہت آگے نکل گئی تھی۔ اس نے دل سے عقیدت کا لفظ مٹا کر وہاں محبت کی تختی لگا دی تھی۔ پروفیسر رمزے کی ساری زندگی پر شیبا بادل بن کر چھائی ہوئی تھی۔ گھر میں کیا ہے کیا نہیں، پروفیسر رمزے کے کپڑے کہاں رکھے ہیں، دھوبی سے کون سے کپڑے آئے ہیں اور کون سے کپڑے دینے ہیں، حساب کتاب، لین دین، سب چیزوں کو وہ آگے بڑھ کر Handle کرتی تھی۔ ایک دن تو کیفے ٹیریا میں روکی نے جھنجلا کر دوستوں سے یہ کہہ بھی دیا تھا۔

"یار اب باقی کیا رہ گیا ہے۔ پروفیسر رمزے سے شیبا کو شادی کر لینی چاہئے۔"

روکی کے دوست ٹونی نے روکی کی بات سن کر کہا……

''ایسی بات نہیں۔ پروفیسر رمزے شیبا کے ان جذبات سے بالکل بے خبر ہیں۔''

''پروفیسر رمزے اتنا بے وقوف بھی نہیں۔ شیبا اسے رات کو سلا کر گھر جاتی ہے اور صبح آکر اٹھاتی ہے اور یہ کام صرف بیوی کرتی ہے۔''

ٹونی نے ہنس کر کہا……

''ماں بھی تو کرتی ہے؟''

''اچھی بیوی وہی ہوتی ہے جس میں 50% ماں موجود ہو اور شیبا میں یہ صفت موجود ہے۔''

ٹونی نے قہقہہ لگا کر کہا……

''تو پھر ایک کام کرو۔''

''کیا کام کروں؟''

''پروفیسر رمزے کو بتا دو کہ جس لڑکی کو میں چاہتا ہوں وہ آپ پر مرتی ہے۔''

روکی نے اس کی طرف گھور کر دیکھا اور بولا……

''اگر میں نے یہ بات پروفیسر رمزے سے کی تو میں مر جاؤں گا۔ اس دنیا میں صرف پروفیسر رمزے ہی ایک ایسی ہستی ہے جس کی آنکھوں کی میں تاب نہیں لا سکتا۔ اس کی آنکھوں سے نکلتے ذہانت اور دانش کے تیکھے تیر، میری جہالت کی گردن کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔''

روکی یہ بات کہہ کر رک گیا اور ٹھنڈی سانس لے کر کہنے لگا……

''البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی دن جرأت کر کے یہ بات شیبا سے کہہ دوں۔''

ٹونی نے مسکرا کر کہا......

''مرتم پھر بھی جاؤ گے۔''

''کیوں؟'' روکی نے حیران ہو کر پوچھا......

''اگر اس نے پروفیسر رمزے سے شادی کرنے کے لئے ہاں کہہ دی تو تم کیا کرو گے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں واقعی مر جاؤں گا۔''

دونوں قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔ اسی دوران شیبا کیفے ٹیریا میں داخل ہوئی۔ ادھر ادھر دیکھا اور پھر روکی نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ وہ روکی کی طرف بڑھی۔ اس کی میز کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اور ایک کاغذ نکال کر روکی کے سامنے رکھ دیا۔

''یہ Picnic پر جانے اور آنے کا پروگرام ہے۔''

یہ کہہ کر وہ جانے لگی تو روکی نے کہا......

''بیٹھو، چائے پیتی جاؤ۔''

شیبا نے پلٹ کر روکی سے کہا......

''نہیں۔ پروفیسر رمزے چائے پر میرا انتظار کر رہے ہیں۔''

شیبا یہ کہہ کر چلی گئی اور روکی نے پروگرام کا کاغذ اٹھایا اور غصے میں اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔

....

چاروں طرف سے پہاڑیوں میں گھری وادی۔ اس وادی کے باسیوں کی زبان میں جنت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا، جسے قدرت کے کارندوں نے آ کر بڑی محبت اور لگن سے آباد کیا تھا۔ خودرو پھولوں کے پودے، چشموں کا دل فریب دھیما دھیما راگ، دور تک پھیلی ہوئی خوشبودار کلیوں کی بیلیں، وادی کے درمیان میں شفاف پانی کی ایک جھیل جس میں سورج روز سویرے آ کر اپنا عکس دیکھتا تھا۔ ہزاروں قسم کی چڑیاں، طوطے، بلبلیں، جنہوں نے اپنی سریلی آواز سے وادی کے ذرے ذرے کو اپنے سحر میں قید کر لیا تھا۔

شیبا اور ساتھیوں نے Picnic کے لئے یہی جگہ پسند کی تھی ...... جب یونیورسٹی کی بس اور شیبا کی گاڑی یہاں آ کر رکی، پروفیسر رمزے گاڑی سے اترے۔ وادی کے حسن کو دیکھ کر ایک لمبی سانس لی اور تازہ خوشبو اپنے اندر سمیٹ کر کہنے لگے......

"یہ جگہ تو شاید دیو مالائی داستانوں کی وہ وادی ہے جہاں ہر آنے والا انسان پتھر بن جاتا ہے۔ ہم آ تو گئے ہیں لیکن ہم یہاں سے واپس کیسے جائیں گے۔"

رکی نے جب یہ بات سنی تو دل ہی دل میں کہنے لگا......

''کاش آپ کی بات سچ ہو۔ آپ پتھر کے ہو جائیں اور ہم واپس چلے جائیں۔ شیبا سمیت۔''

شیبا نے پروفیسر رمزے کی بات سن کر کہا......

''آپ فکر نہ کریں سر۔ مجھے پتھر میں ڈھلے انسان کو دوبارہ انسان بنانے کا منتر آتا ہے۔ میں آپ کو واپس لے چلوں گی۔''

پروفیسر رمزے نے شیبا کو مسکرا کر دیکھا اور بولے......

''ہاں۔ شاید تم مجھے واپس لے چلو۔ کیونکہ تم میری ایک ایک کمزوری سے واقف ہو۔''

روکی نے یہ بات سن کر دانت پیستے ہوئے اپنا دایاں پاؤں زور سے اپنی گاڑی کے ٹائر پر مارا اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

یونیورسٹی کا عملہ جھیل کے اردگرد خیمے لگا رہا تھا اور سٹوڈنٹ جھیل کے کنارے کھڑے مچھلیوں کی اچھل کود سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ روکی اپنے پاؤں کو سہلا کر خیمہ لگانے والے ملازمین کی طرف چلا گیا...... یونیورسٹی کے سارے کارندے روکی سے واقف تھے۔ ایک آدمی جو دوسرے کارندوں کو ہدایات دے رہا تھا، روکی کو دیکھ کر روکی کے پاس آیا۔

''سلام صاحب جی۔''

''سلام۔'' روکی نے جواب دیا۔ پھر روکی کا ہاتھ اپنی جین کی پچھلی جیب کی

طرف گیا۔ پرس نکالا اور کچھ نوٹ اس آدمی کو دے کر کہا......

''میرا خیمہ مس شیبا کے خیمے کے بالکل ساتھ لگنا چاہئے۔''

''ٹھیک ہے صاحب جی۔ پہلا خیمہ پروفیسر رمزے کا۔ دوسرا مس شیبا کا اور تیسرا آپ کا۔''

روکی نے اس ترتیب سے منہ بنا کر ذرا سا اختلاف کیا۔ لیکن پھر مسکرا کر آدمی کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔

پروفیسر رمزے شیبا اور چند دوسرے سٹوڈنٹ جھیل کنارے بنی ایک خوبصورت نشست گاہ میں بیٹھے تھے۔ خوبصورت پھولوں سے آراستہ یہ جگہ بڑے شاعرانہ انداز میں بنائی گئی تھی۔ چھوٹے سے لان کے درمیان کیوپڈ اور سائیکی کے دو خوبصورت مجسمے فواروں کا کام دے رہے تھے۔ پانی کی پھواریں سائیکی کی ناف اور کیوپڈ کے منہ سے موتیوں کی طرح ہر طرف بکھر رہا تھا۔ پروفیسر رمزے کے سامنے وادی کا سب سے معمر آدمی کاشی بیٹھا تھا۔ سوائے چہرے کے کاشی کی ہر چیز سفید تھی۔ سفید بال، سفید داڑھی، مونچھیں اور بھویں، بس چہرے کا رنگ سانولا تھا۔

کاشی نے مسکرا کر اپنے سفید دانتوں کی نمائش کی اور کہنے لگا......

''میں ایک کم سو سال کا ہوں پروفیسر صاحب۔ ساری عمر سیاحوں کو اس وادی کی سیر کرائی ہے۔ اس علاقے کے ایک ایک پتھر پر گزرے وقت کی کہانیاں لکھی ہوئی ہیں۔''

پروفیسر رمزے سمیت سارے لڑکے لڑکیاں کاشی کی باتیں حیرت سے سن

رہے تھے۔ کاشی نے گردن موڑ کر ایک پہاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا......

''وہ پہاڑی کی بغل میں بنا ہوا تخت نما چبوترا دیکھ رہے ہیں آپ؟''

سب لوگوں نے اس طرف دیکھا۔ ایک لڑکے نے فوراً جواب دیا......

''ہاں دیکھ رہے ہیں۔''

''یہ وہ چبوترا ہے جس پر بیٹھ کر سکندر اعظم نے منگتا سپیرے کی لڑکیوں کا استقبال کیا تھا۔''

یہ کہہ کر کاشی ہنسا اور پھر کہنے لگا......

''بعد میں تینوں قتل کر دیئے گئے۔''

پروفیسر رمزے نے سگار کی راکھ جھاڑ کر پوچھا......

''اس ناراضگی کی وجہ؟''

سکندر نے اردگرد کے علاقوں کو فتح کر کے اس وادی میں ڈیرہ ڈالا تو لوگ تحفے تحائف لے کر اسے ملنے آئے۔ منگتا سپیرا بھی اپنی دو جوان لڑکیوں کو لے کر آ گیا۔

کاشی یہ کہہ کر خاموش ہو گیا اور پھر اپنی جیب سے سخت تمباکو والی سگریٹ نکال کر سلگائی۔

''لڑکیاں کیا تھیں قیامت تھیں۔ لڑکیوں کو دیکھ کر یونانی تلواروں کی تیکھی دھاریں کند ہو گئیں۔ تھکا ہارا سکندر انہیں دیکھ کر تازہ دم ہو گیا۔ وہ اسی چبوترے پر بیٹھا تھا۔ لڑکیوں کو دیکھ کر اٹھا اور لڑکیوں کے قریب چلا گیا۔''

سب لڑکے سنبھل کر بیٹھ گئے۔ کاشی نے لڑکوں پر ایک نظر ڈالی۔

''سکندر ایک لڑکی کو ہاتھ لگانے لگا تو اسے اپنے گرو ارسطو کی بات یاد آ گئی کہ ہندوستان میں کسی عورت کے قریب نہ جانا، مارے جاؤ گے۔ پہلے سکندر نے سوچا کہ بھلا آدمی عورت کے پاس جا کر مارا کیسے جاتا ہے۔ پھر استاد کی بات کو پرکھنے کے لئے سپیرے کے ساتھ ایک آدمی کی طرف دیکھ کر کہنے لگا...... ان لڑکیوں میں سے کسی ایک لڑکی کے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ کر بوسہ لو...... جب وہ آدمی ذرا ہچکچایا تو یونانی سپاہی تلوار نکال کر اس کی طرف لپکے...... اس آدمی نے جو منگتا کا ساتھی تھا فوراً لڑکی کے ہونٹوں کو چوما...... اور پھر چند لمحوں بعد زمین پر گر گیا اور دم دے دیا۔''

یہ کہہ کر کاشی خاموش ہو گیا۔ لڑکے لڑکیوں پر ایک سکتہ طاری ہو گیا اور وہ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے...... پروفیسر رمزے نے پوچھا......

''کیوں۔ یہ کیسے ہو گیا؟''

''سکندر کے پوچھنے پر منگتا سپیرے نے بتلایا کہ ہم اپنی کسی نہ کسی بچی کو پیدا ہوتے ہی زہر چٹانا شروع کر دیتے ہیں۔ جوان ہونے تک وہ اتنی زہریلی بن جاتی ہے کہ جو اس کے ساتھ صحبت کرے یا چومے، لڑکی کے خون میں رچا زہر اس کی جان لے لیتا ہے...... سکندر نے ہنس کر کہا...... ''اور اب ہم تمہاری جان لے رہے ہیں''۔ چنانچہ سکندر نے لڑکیوں اور منگتا سپیرے کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس حکمران کی ریاست پر حملہ کر دیا جس نے سکندر کی موت کا منصوبہ بنا کر منگتا کو سکندر کے پاس بھیجا تھا۔''

کاشی وادی میں چاروں طرف بنی پہاڑوں میں گپھاؤں کے بارے میں

دل چسپ کہانیاں سناتا رہا جو اس نے دادا اور اس کے دادا نے اپنے پڑدادا سے سنی تھیں۔ ایک گپھا جس پر خطرے کا بورڈ لگا تھا کاشی نے بتایا کہ اس گپھا کا کوئی انت نہیں۔ یہ شروع تو ہوتی ہے لیکن کہاں جا کر ختم ہوتی ہے کوئی نہیں جانتا...... اس سے پہلے کہ وہ اس کے بارے میں تفصیلی بات چیت کرتا، کھانے کا بلاوا آ گیا اور سب اٹھ کر اس آگ کے بڑے الاؤ کی طرف جانے لگے جس کے اردگرد کھانے کا دسترخوان بچھایا گیا تھا۔ شیبا حسب معمول پروفیسر رمزے کے ساتھ ساتھ تھی اور ایک عجیب احساسِ مسرت اس کی رگ رگ میں رچا ہوا تھا۔

کھانے سے زیادہ لڑکے لڑکیوں کی زیادہ دل چسپی گھومنے پھرنے اور ٹولیوں میں بیٹھ کر گپ شپ لگانے میں تھی۔ روکی اپنے دوستوں کے ساتھ جھیل میں کشتی چلا رہا تھا۔ پروفیسر رمزے نے اونچی آواز میں اس سے کہا......

''روکی۔''

''جی سر۔''

''تیرنا آتا ہے تمہیں؟''

''جی سر۔''

''ڈوب تو نہیں جاؤ گے؟''

''نو۔ سر''

''میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاؤ گے۔''

''کیوں نہیں سر۔''

اور پھر روکی کشتی رانی چھوڑ کر پروفیسر رمزے کے ساتھ آ بیٹھا۔ اسے پروفیسر رمزے کے ساتھ بیٹھنے میں اتنی دل چسپی نہیں تھی۔ وہ آیا صرف اس لئے تھا کہ رمزے کے پاس شیبا بیٹھی تھی۔ شیبا نے پروفیسر رمزے کے کھانے پینے کا بہت خیال رکھا اور مجبوری میں وہ روکی سے بھی پوچھتی رہی۔ اور کھاؤ۔ یہ لو۔ بہت کم کھا رہے ہو وغیرہ۔

''تم خود بھی تو کھاؤ'' پروفیسر رمزے بولے۔

''میں کھا رہی ہوں سر۔''

''تمہاری پلیٹ تو خالی ہے۔''

''پلیٹ میں جو ڈالا تھا، میں کھا چکی۔ اب اور لے رہی ہوں۔''

شیبا نے اپنی پلیٹ میں سالن ڈالا۔ روکی بہت آہستہ آہستہ کھا رہا تھا تا کہ شیبا کے پاس بیٹھنے کا زیادہ سے زیادہ وقت مل جائے۔ پروفیسر رمزے کھانا کھا کر اٹھے اور کہنے لگے......

''میں کھا چکا۔ اپنے خیمے میں جا رہا ہوں۔''

''آپ چلئے۔ میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے لیکن ایک گھنٹے بعد۔''

پروفیسر رمزے اپنے خیمے کی طرف چلے گئے اور شیبا اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی اور روکی شیبا کو دیکھتا رہا۔

....

ایک گھنٹے بعد شیبا پروفیسر رمزے کے خیمے میں کافی لے کر گئی تو خیمہ خالی تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا، کافی کی ٹرے ایک طرف رکھی اور بڑبڑائی۔

''سر کہاں چلے گئے؟''

اور پھر وہ باہر نکل گئی ...... تمام سٹوڈنٹ خیموں میں چلے گئے تھے۔ صرف ملازمین بکھرا کھانے کا سامان سمیٹ رہے تھے۔ آگ کے الاؤ کے اردگرد چار سکیورٹی والے بیٹھے تھے اور چائے پی رہے تھے۔ شیبا نے ان کے پاس جا کر پوچھا......

''پروفیسر رمزے کو دیکھا ہے آپ نے؟''

ایک آدمی نے ہاتھ کے اشارے سے کہا......

''ادھر گئے ہیں۔''

جس طرف اس نے اشارہ کیا تھا، ادھر گپھاؤں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ شیبا اس طرف چل دی۔

پروفیسر رمزے ہاتھ میں سگار لئے گپھاؤں کے قریب سے گزر رہے تھے

اور اپنے ہاتھ میں پکڑی ٹارچ سے ان کے دہانوں کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ چلتے چلتے وہ اس گپھا کے سامنے آ کر رک گئے جس پر خطرے کا بورڈ لگا تھا اور گپھا کو گھاس پھوس کے ایک ڈھیر سے بند کیا گیا۔ لیکن اندر کا راستہ پھر بھی صاف نظر آ رہا تھا۔

پروفیسر رمزے نے ٹارچ جلا کر اس کا رخ اندر دہانے کی طرف کیا اور پھر نہ جانے کیوں انہوں نے گھاس پھوس کے ڈھیر کو ایک طرف کرنا شروع کر دیا اور چند منٹوں میں دہانے کا منہ اتنا کھل گیا کہ آدمی اندر جا سکے۔ پروفیسر رمزے چند لمحے کھڑے کچھ سوچتے رہے اور پھر اس گپھا کے اندر داخل ہو گئے جو غار کی طرح گہری اور چوڑی محسوس ہو رہی تھی۔

پروفیسر رمزے سنبھل سنبھل کر قدم اٹھا رہے تھے اور اپنے سامنے آنے والے جالوں کو ہاتھ سے صاف کر رہے تھے اور غار میں پتھروں اور نوکدار پتھریلی سلوں سے اپنے آپ کو بچاتے رہے۔ پروفیسر رمزے نے گھڑی پر ٹارچ کی روشنی ڈالی تو انہیں چلتے ہوئے دو گھنٹے سے زیادہ وقت ہو چکا تھا۔ گھڑی پر ٹائم دیکھ کر پروفیسر نے ٹارچ سامنے کی تو چمگادڑوں کا ایک گروہ اس کے سر پر سے گزرا۔ پروفیسر رمزے پیچھے کی طرف جھکا۔ اس کا پاؤں لڑکھڑایا۔ وہ گرنے ہی والا تھا کہ پیچھے سے شیبا کی آواز آئی ......

"سنبھل کے سر۔"

اور پروفیسر رمزے کو بانہوں میں تھام لیا۔ رمزے نے مڑ کر شیبا کی طرف

دیکھا اور کہا......

''تم۔تم کیوں چلی آئیں میرے پیچھے۔''

شیبا نے مسکرا کر جواب دیا......

''آپ کبھی غلط راستے پر نہیں چلے۔اِس لئے۔''

''مگر شیبا......''

شیبا نے بات کاٹ کر کہا......

''اس پر کبھی پھر بات کریں گے۔اب کیا کرنا ہے۔''

''آگے چلنا ہے۔دیکھتے ہیں اس غار کا انت کہاں ہوتا ہے۔''

''تو پھر چلئے۔''

شیبا اور پروفیسر رمزے دونوں غار میں آگے بڑھتے گئے۔ غار میں چمگادڑوں اور جالوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ایک بار پروفیسر رمزے نے کہا......

''اگر یہاں کہیں سے سانپ نکل آیا تو۔''

شیبا نے رمزے کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا......

''آپ میرے پیچھے آجائیے۔سانپ کو میں دیکھ لوں گی۔نہیں آنے دوں گی اسے آپ کے پاس۔''

پروفیسر رمزے نے شیبا کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔لیکن دل میں ایک بات اٹک گئی کہ یہ لڑکی شیبا کیا چیز ہے۔

شیبا نے پوچھا......

''آپ نے کچھ کہا سر؟''

''نہیں تو۔ کیا تم نے کچھ سنا؟''

''سنا تو نہیں لیکن محسوس کیا ہے جیسے آپ کوئی ایسی بات سوچ رہے ہیں جس کا شاید مجھ سے تعلق ہے۔''

''میں دن میں کئی بار تمہارے بارے میں سوچتا ہوں۔''

پروفیسر رمزے نے ہنس کر کہا۔

شیبا کا دل چاہا وہ کہے کہ میں رات دن آپ کے بارے میں سوچتی ہوں۔ لیکن کہہ نہ سکی۔ صرف تین الفاظ کہہ سکی۔

"Thank you Sir"

دونوں چلتے چلتے غار کے ایک ایسے حصے میں آ گئے جہاں ان کے سامنے تین راستے تھے۔ ایک دائیں ایک بائیں اور ایک سامنے۔ پروفیسر رمزے نے ٹارچ سے تینوں طرف روشنی ڈالی اور پھر کہنے لگا......

''اب کیا کروں۔ کدھر جاؤں؟''

شیبا اور پروفیسر رمزے کے پیچھے سے آواز آئی......

''سر آپ کا تعلق نہ دائیں گروپ سے ہے نہ بائیں گروپ سے۔ آپ سیدھے جائیے۔''

آواز پہچان کر دونوں نے تیزی سے گردن پیچھے کی طرف موڑی اور

دونوں نے بیک وقت ذرا اونچی آواز میں پوچھا......

''کون۔روکی؟''

''جی سر۔''

''مگر یار تم کیوں آ گئے؟''

''آپ انجانے راستے پر جا رہے ہیں سر۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ حفاظت کے لئے کوئی تو ساتھ ہونا چاہئے۔بس یہ سوچ کر چلا آیا۔''

دونوں نے روکی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور پروفیسر رمزے نے شیبا سے کہا......

''روکی شاید ٹھیک کہتا ہے۔ہمیں سامنے والے راستے پر چلنا چاہئے۔''

اور پھر تینوں احتیاط سے قدم اٹھاتے ہوئے ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھتے رہے۔ پہلے انہیں سانس لینے میں کچھ دقت محسوس ہو رہی تھی مگر اب محسوس ہوتا تھا جیسے سامنے سے کچھ تازہ ہوا غار کی فضا میں شامل ہو رہی ہے۔ جب شیبا نے اس بات کا اظہار کیا تو پروفیسر رمزے نے کہا......

''اس کا مطلب ہے ہم غار کے آخری حصے کے قریب پہنچ گئے ہیں۔''

پروفیسر رمزے نے جب یہ بات کہی تو اسے دور تاریکی اور اندھیرے کے سمندر میں روشنی کی ایک ہلکی سی لکیر نظر آئی۔ پروفیسر رمزے نے ٹارچ بند کر کے اسے دیکھا۔ واقعی روشنی کا ایک روشن دائرہ اس کی نظروں کے سامنے گھوم گیا اور اب یہ دائرہ انہیں نزدیک آتا محسوس ہو رہا تھا۔ یا شاید وہ اس کے قریب پہنچ رہے تھے

......پروفیسر رمزے نے گردن گھما کر شیبا سے پوچھا......

''جو مجھے نظر آرہا ہے کیا تم بھی وہی دیکھ رہی ہو شیبا؟''

''جی سر۔ روشنی کا ایک دائرہ سا لہرا رہا ہے۔''

''کیوں روکی؟'' پروفیسر رمزے نے روکی سے بھی پوچھا۔

''جی سر۔ شیبا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ دور کی روشنی ہمارے نزدیک آ رہی ہے۔''

تینوں نے اپنے قدموں کی رفتار تیز کر دی۔ وہ کئی بار چلتے چلتے لڑکھڑائے بھی۔ ایک دوسرے کے اوپر گرے لیکن انہوں نے چلنا بند نہیں کیا۔ ایک بار روکی نے پروفیسر رمزے سے پوچھا......

''ہم جا کہاں رہے ہیں سر؟''

''یہ تو مجھے بھی پتہ نہیں۔ شاید روشنی کے اس دائرے کے پاس جا کر پتہ چلے۔ دائرہ بھی تیز روشنی دینے لگا ہے۔ ہوا میں آکسیجن بھی بڑھ گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے غار کا یہ راستہ ہمیں اس دہانے پر لے جا رہا ہے جہاں شاید کوئی دوسرا شہر آباد ہے۔

''یہ بھی ہو سکتا ہے ہم وہیں پہنچ جائیں جہاں ہمارا Picnic سپاٹ ہے۔'' روکی نے کہا۔

پروفیسر رمزے اور شیبا نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ دہانے میں روشنی کا ہالہ ان کی طرف روشنی کی بے حساب کرنیں پھینک رہا تھا۔ تینوں کے چہرے روشن

ہو گئے تھے۔ روکی، پروفیسر اور شیبا تینوں غار کے دہانے پر آ کر رک گئے اور ان کے سامنے سورج غروب ہو رہا تھا۔

تینوں حیران تھے اور ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ وہ رات کو غار میں داخل ہوئے تھے اور غار سے نکلے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔

''یہ ہم کہاں آ گئے ہیں؟'' پروفیسر رمزے بڑبڑائے۔ شیبا اور روکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پروفیسر رمزے نے ایک لمبی سانس لی اور کہا......

''چلو دیکھتے ہیں کہ ہم کہاں ہیں؟''

اور پھر تینوں غار سے نکل کر ایک نئی دنیا میں داخل ہو گئے۔

....

پروفیسر رمزے، شیبا اور روکی نے غار سے باہر نکل کر جب چاروں طرف نظر دوڑائی تو وہ حیران رہ گئے۔ جس غار سے وہ باہر نکلے تھے دائیں بائیں دور تک ایسی ہی غاروں کا ایک طویل سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ روکی کے ہاتھ میں اس کا گٹار تھا۔ اس کے دل میں نہ جانے کیا آیا۔ واپس بھاگ کر اس غار کے دہانے کے پاس چلا گیا جہاں سے وہ باہر نکلے تھے۔ چاروں طرف سے پتھر اٹھا کر اپنا گٹار بانس کی طرح ان میں گاڑھ دیا تھا اور پھر واپس پروفیسر رمزے اور شیبا کے پاس آ گیا۔ شیبا نے پوچھا......

''یہ کیا حرکت کی تم نے روکی؟''

روکی نے شیبا کی طرف دیکھا اور بولا......

''یہاں سے کھڑی ہو کر کیا تم پہچان سکتی ہو کہ ہم کس غار سے باہر آئے ہیں؟''

شیبا نے سب غاروں کی طرف دیکھا اور بڑی پریشان ہو گئی۔

''نہیں۔ میں نہیں پہچان سکتی۔''

''تو بس میں نے جو کیا ٹھیک کیا۔ یہ گٹار ہمیں بتلائے گا کہ ہم اس غار میں سے باہر آئے ہیں۔''

پروفیسر رمزے نے مسکرا کر کہا......

''میں تو تمہیں غبی اور کند ذہن سمجھتا تھا روکی۔ تم تو ہم دونوں سے عقل مند نکلے۔ اگر تم یہ نشانی نہ رکھتے تو ہم شاید کبھی واپسی کا راستہ تلاش نہ کر سکتے۔ Well-Done''

روکی نے مسکرا کر کہا...

''تھینک یو۔ سر۔''

اور پھر تینوں آگے بڑھے۔ انہیں اکا دکا لوگ راستے میں ملے۔ ہر گزرنے والے نے تینوں کو اجنبی نظروں سے دیکھا اور دور تک مڑ کر دیکھتا رہا۔

''پتہ نہیں یہ کونسی جگہ ہے اور ہم کہاں آ گئے ہیں۔''

شیبا نے پوچھا......

پروفیسر رمزے نے کہا......

''لوگوں کے لباس دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے یہ یونان کا علاقہ ہے۔''

روکی نے سر ہلا کر جواب دیا۔

''لیکن سر۔ ایسے لباس رومن بھی تو پہنتے ہیں۔''

رمزے خاموش ہو گیا اور درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف نظر دوڑائی۔ ان پر بے شمار پھل لگے ہوئے تھے۔ شیبا نے پروفیسر رمزے کو دیکھ کر کہا......

''آپ کو شاید بھوک لگی ہے۔''

''شاید ہاں۔''

روکی نے فوراً کہا......

''آپ ٹھہریں۔ میں پھل توڑتا ہوں۔''

اور یہ کہہ کر روکی بندر کی طرح دیکھتے ہی دیکھتے درخت پر چڑھ گیا اور پھل توڑ توڑ کر نیچے پھینکنے شروع کر دیئے۔ یہ خوبانی سے ملتے جلتے پھل تھے۔ شیبا نے اپنے دامن سے پھل صاف کر کے پروفیسر رمزے کو دیئے۔ ان درختوں کے دوسری طرف پانی کا ایک چشمہ بہہ رہا تھا اور تین آدمی اس کے پاس بیٹھے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ پروفیسر رمزے نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر شیبا کو نہ بولنے کا اشارہ کیا اور دبے پاؤں چشمہ کے قریب چلا گیا۔ شیبا اس کے پیچھے تھی اور درخت سے اتر کر روکی بھی شیبا کے پیچھے چلنے لگا۔ تینوں درختوں کی اوٹ میں کھڑے ہو کر ان کی باتیں سننے لگے۔ ایک آدمی نے اپنا منہ دھو کر اپنے ہاتھوں سے پانی پیا اور کہنے لگا......

''جب ہومر کی نظمیں موجود ہیں تو پھر ہر سال یہ داستان گوئی کی محفلیں سجانے کا فائدہ؟''

دوسرے آدمی نے جواب دیا......

''پہلی بات تو یہ کہ صدیوں پرانی روایت ہے اسے زندہ رہنا چاہیئے۔ دوسری بات یہ کہ ہومر اپنی جگہ مگر داستان گو کا اپنا ایک انداز ہے۔ جس کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔''

تیسرے آدمی نے کھڑے ہو کر کہا......

''ہومر......ہومر ہے۔ اور داستان گو۔ داستان گو۔ چلو اٹھو۔ مجھے سارے خاندان کو لے کر داستان گوئی کی تقریب میں جانا ہے۔ اگلی صفوں میں جگہ نہ ملی تو مزہ نہیں آئے گا۔''

اس کی بات سن کر دونوں آدمی کھڑے ہو گئے اور چشمہ کا چکر کاٹ کر درختوں میں کہیں غائب ہو گئے۔

پروفیسر رمزے نے درخت کی اوٹ سے نکل کر کہا......

''......اس کا مطلب ہے۔ یہ یونان کا علاقہ ہے۔''

''آپ کو اب بھی شک ہے سر؟''

پروفیسر کچھ دیر خاموش رہا اور پھر کہنے لگا......

''اگر کسی نہ کسی طرح ہم داستان گوئی کی محفل میں چلے جائیں تو ساری بات واضح ہو جائے گی۔''

اور پھر تینوں کچھ سوچ کر اس راستے پر چل دیئے جس راستے پر وہ آدمی گئے تھے۔

....

عورتوں، مردوں، بوڑھوں، نوجوانوں اور بچوں کا ہجوم قطاروں میں آہستہ آہستہ وادی میں بنے اس بڑے اونچے چبوترے کی طرف بڑھ رہا تھا جس کے چاروں کونوں پر آگ کے بڑے بڑے الاؤ روشن تھے۔ لوگوں کے ہاتھوں میں کچھ نہ کچھ پکڑا ہوا تھا کسی کے ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل تھی، کسی کے ہاتھ میں کوئی کپڑا کوئی پوٹلی یا تھیلا۔ کچھ لوگوں نے کاندھوں پر لپٹے ہوئے بستر اٹھائے ہوئے تھے۔ پروفیسر رمزے، شیبا اور روکی انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ شیبا نے پروفیسر رمزے کے کان کے قریب منہ لے جا کر سرگوشی کے انداز میں پوچھا......

''یہ سب لوگ کہاں جا رہے ہیں؟''

پروفیسر نے جانے والوں کو مسلسل گھورتے ہوئے جواب دیا۔

''مجھے ابھی تک یہ نہیں پتہ چلا کہ یہ جگہ کون سی ہے۔ تم یہ پوچھ رہی ہو کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟''

''جگہ کے بارے میں تو اب آپ کو یقین کر لینا چاہئے کہ یہ ایتھنز (یونان) ہے۔ تین آدمیوں نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔''

شیبا نے پروفیسر کی طرف دیکھ کر کہا......

''ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔ تین آدمی جھوٹ نہیں بول سکتے۔''

پروفیسر نے گردن ہلا کر کہا......

''تو پھر ہمیں اب ان لوگوں کے ساتھ چلنا چاہیئے۔''

رو کی طویل خاموشی کے بعد بولا......

''کس لئے؟'' شیبا نے پوچھا۔

''یہ جاننے کے لئے کہ یہ کہاں جا رہے ہیں؟''

''ہم کسی خطرے میں نہ پھنس جائیں؟''

شیبا نے کہا۔

''خطرے میں تو ہم پھنس چکے ہیں۔''

پروفیسر رمزے نے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا......

''اگر تین آدمی جھوٹ نہیں بول رہے تو ہم 350 سال قبل مسیح کے عہد میں کھڑے ہیں۔ جس زمانے میں ہم پیدا ہوئے ہیں، اس سے 2500 سال پیچھے۔''

''تو پھر سر۔'' شیبا نے بچوں کی طرح پروفیسر کی طرف جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''ہم ان لوگوں کے ساتھ جائیں گے۔'' پروفیسر رمزے نے دور جاتے ہوئے لوگوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''یہ ضرور کسی تقریب، تہوار یا میلے میں شرکت کرنے جا رہے ہیں۔''
پروفیسر رمزے یہ کہہ کر دھیرے سے قدم اٹھا کر چلنے ہی والا تھا کہ روکی نے اسے روکتے ہوئے کہا......

''ایک منٹ سر۔''

''کیا ہے؟'' پروفیسر رمزے گردن گھما کر بولا۔

''ہمارے لباس، چہرے مہرے ان سے بالکل مختلف ہیں۔ ہم کہیں پکڑے نہ جائیں۔''

پروفیسر رمزے نے جواب دیا۔

''پکڑے تو ہم ایک نہ ایک دن جائیں گے ہی۔ اگر واقعی ہم 2500 سال قبل مسیح کے عہد میں آ گئے ہیں تو ہمیں ان کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔''

پروفیسر رمزے نے شیبا کا ہاتھ پکڑا اور کہا......

"Let us move."

رمزے اور شیبا چل پڑے تو روکی بھی ان کے پیچھے ہو لیا اور پھر تینوں درختوں کے جھنڈ میں چلے گئے اور ایک درخت کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ جوں ہی دس بارہ آدمیوں اور عورتوں کا ایک گروہ ان کے سامنے آیا، تینوں ان میں شامل ہو گئے۔ پروفیسر رمزے دو ادھیڑ عمر آدمیوں کے پیچھے چل رہا تھا۔ اس کے دائیں طرف شیبا تھی اور بائیں طرف ایک سیاہ رنگ کی جوان عورت، جس نے ایک سیاہ مرد کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ ان کے پیچھے روکی چل رہا تھا۔ پروفیسر رمزے کے آگے چلنے

والے دو آدمیوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے پوچھا......

''جو کچھ ہم سب سننے کے لئے جا رہے ہیں، یہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ پھر ہم چار دن کیوں ضائع کر رہے ہیں؟''

''ہر سال ان گویوں سے اپنے پرکھوں کی کہانیاں سننا، ہم یونانیوں کی شاندار روایت ہے۔ ہم اس روایت کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔''

ادھیڑ عمر کے ساتھی نے جواب دیا۔

''اور پھر ان گویوں کا جو داستان سنانے کا انداز ہے وہ کتابوں میں کہاں؟''

ادھیڑ عمر آدمی رکا اور اپنے کولہوں پر ہاتھ رکھ کر کہا......

''تو کیا ہومر (Homer) نے دونوں کتابوں میں جھک ماری ہے؟''

ادھیڑ عمر اچانک چلتے چلتے رکا تو پروفیسر رمزے اس کے اوپر جا گرا۔ ادھیڑ عمر آدمی نے بغیر پیچھے دیکھے کہا......

''اندھے ہو۔ آنکھیں نہیں ہیں؟''

پروفیسر رمزے سنبھلا مگر کچھ منہ سے بولا نہیں۔ ادھیڑ عمر آدمی کا ساتھی ہنس کر بولا......

''اندھے ہومر کا ذکر سن کر اندھا ہو گیا ہے۔''

یہ کہہ کر دونوں پھر چلنے لگے۔ پروفیسر رمزے نے شیبا کی طرف دیکھا جس نے پروفیسر رمزے کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ روکی کی نظر دونوں کے ہاتھوں پر تھی اور

اس کے چہرے پر باوجود مصیبت کی گھڑی کے ایک غصہ اور نفرت تھی۔ اس نے دل ہی دل میں پروفیسر رمزے کو گالیاں دیں اور غصے میں راہ میں پڑے چھوٹے سے پتھر پر زور سے ٹھوکر ماری۔ پتھر اچھل کر اس کے سامنے چلتے ہوئے آدمی سے ٹکرایا۔ پتھر اس آدمی کی ایڑھی پر لگا تھا۔ وہ زور سے چلایا اور اس نے فوراً مڑ کر روکی کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا۔ ''سور کے بچے'' ابھی وہ کچھ اور کہنے والا تھا مگر روکی کا حلیہ اور لباس دیکھ کر حیران رہ گیا۔ لوگ آگے نکل گئے۔ پروفیسر رمزے اور شیبا کو پتہ نہ چل سکا کہ روکی کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ روکی کے منہ پر تھپڑ مارنے والے نوجوان نے روکی کو گھور کر دیکھا اور پوچھا......

''کون ہو تم، تم ہم میں سے نہیں لگتے، کس ریاست سے آئے ہو؟''

روکی نے ان تمام سوالات کے جواب میں صرف نفی میں سر ہلایا اور کہا......

''ہاں میں تم میں سے نہیں۔''

''تو پھر کون ہو تم؟''

''انسان ہوں۔'' روکی نے مسکرا کر جواب دیا۔

''وہ تو مجھے بھی دکھائی دے رہا ہے کہ تم گدھے نہیں، انسان ہو۔'' نوجوان نے کہا......

''مجھے یہ بتلاؤ کہ تم ایتھنز میں جاسوسی کرنے آئے ہو؟''

''جاسوسی کرنے نہیں آئے۔'' روکی نے کہا۔

''اتفاق سے تمہارے شہر میں آ گئے ہیں۔''

''ہم، سے پتہ چلتا ہے کہ تم اکیلے نہیں ہو، تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔'' نوجوان نے کہا۔

نوجوان اور روکی کو یوں باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر دو بوڑھے چلتے چلتے ان کے پاس رک گئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا......

''اسے پکڑ کر شہری محافظوں کے پاس لے جاؤ۔ یہ ایران کا جاسوس لگتا ہے۔ محافظ خود ہی اس سے سب کچھ پوچھ لیں گے۔''

روکی نے موقعہ کی نزاکت کو محسوس کیا اور ادھر ادھر دیکھا، سب لوگ آگے جا چکے تھے۔ اس کے سامنے نوجوان کھڑا تھا۔ دائیں طرف دونوں بوڑھے۔ بائیں طرف درختوں کا جھنڈ اور اس سے آگے گھنا جنگل ...... بوڑھے نے نوجوان سے کہا......

''کیا سوچ رہے ہو، اسے محافظوں کے پاس لے چلو۔''

اس سے پہلے کہ روکی پر وہ نوجوان ہاتھ ڈالتا، روکی بھاگ کھڑا ہوا اور چشم زدن میں درختوں میں غائب ہو گیا۔ دونوں بوڑھے اور نوجوان ہکا بکا رہ گئے۔

''یہ ضرور ایرانی جاسوس ہے۔ چلو چل کر محافظوں کو اطلاع دیتے ہیں۔''

یہ کہہ کر نوجوان اور دونوں بوڑھے روکی کو گالیاں دیتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

پروفیسر رمزے اور شیبا دونوں بڑے محتاط انداز میں اپنے آپ کو سمیٹے چل رہے تھے۔ پروفیسر رمزے شیبا سے زیادہ احتیاط برت رہا تھا۔ وہ دوبارہ آگے والے ادھیڑ عمر آدمی سے ٹکرانا نہیں چاہتا تھا۔ چلتے چلتے اچانک نہ جانے شیبا کو کیا

سوجھی، اس نے رمزے کا ہاتھ پکڑا اور گھسیٹ کر اسے لوگوں سے نکال کر ایک طرف لے گئی۔ پروفیسر رمزے شیبا کی اس اچانک حرکت سے بوکھلا سا گیا تھا۔ دونوں اس وقت ایک درخت کی اوٹ میں کھڑے تھے۔ شیبا کی سانس تیز تیز چل رہی تھی۔

پروفیسر رمزے نے اندھیرے میں اسے گھورتے ہوئے پوچھا......

''کیا ہے، تم مجھے ہجوم سے باہر کیوں لے آئی ہو؟''

شیبا نے اپنی سانس درست کرتے ہوئے کہا......

''ہمارے لباس، ہمارے سب سے بڑے مخالف بن گئے ہیں۔''

''تو پھر کیا کریں؟'' پروفیسر بولا۔

''کہیں سے یونانی لباس مل جائیں تو ہم آزادی سے گھوم پھر سکیں گے؟''

شیبا کی بات سے پروفیسر رمزے متفق ہو کر بولا......

''مگر یہ لباس ہمیں ملیں گے کہاں سے؟''

شیبا نے دور تک چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر کچھ ٹمٹماتے ہوئے چراغوں کی روشنیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا......

''یہ روشنیاں ضرور گھروں کی کھڑکیوں اور دروازوں سے چھن چھن کر آ رہی ہیں۔''

پروفیسر رمزے نے اس طرف دیکھا جس طرف شیبا اشارہ کر رہی تھی اور پھر بولا......

''ہاں لگتا ہے یہ آبادی ہے۔ مگر ہم کپڑے حاصل کیسے کریں گے؟''

"یہ وہاں پہنچ کر سوچیں گے۔"

شیبا یہ بات کہہ کر چل پڑی۔ پروفیسر رمزے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ جس راستے پر وہ چل رہے تھے، یہ کوئی باقاعدہ راستہ نہ تھا۔ جھاڑیوں سے بھرا ہوا میدان تھا۔ پتھریلی زمین تھی۔ دونوں بار بار پتھروں سے ٹھوکریں کھا رہے تھے مگر چل رہے تھے۔ ٹمٹماتی روشنیاں ان کے قریب آتی جا رہی تھیں۔ آخر وہ گھروں کی ایک قطار کے سامنے جا کر رک گئے۔ دونوں نے ایکدوسرے کو غور سے دیکھا۔ شیبا نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور کہا......

"آپ یہاں ٹھہریں۔ میں سامنے والے گھر کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھتی ہوں۔"

شیبا گھر کی طرف بڑھنے لگی تو پروفیسر رمزے نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا......

"Take care."

شیبا نے مسکرا کر پروفیسر رمزے کی طرف دیکھا اور اندھیرے میں ڈوبے گھر کی طرف بڑھ گئی جس کے کھڑکی نما جھروکے میں ایک دیا جل رہا تھا...... پروفیسر رمزے چند لمحے تو شیبا کو دیکھتا رہا پھر خود بھی اس طرف چل دیا جس طرف شیبا جا رہی تھی۔

شیبا گھر کے قریب پہنچی تو اندر سے آواز آئی۔

"آخر تم کر کیا رہی ہو، جلدی چلو۔ داستان شروع ہو چکی ہو گی۔"

شیبا یہ آواز سن کر جلدی سے دیوار کے ساتھ بنے ایک اینٹوں کے ڈربے کے پیچھے بیٹھ گئی۔

''نہیں شروع ہوئی ہوگی ابھی داستان۔ ابھی تو داستان گو (Athena) کی نذرانا تار رہے ہوں گے۔ لو میں ہوگئی تیار۔ چلو، دروازہ دھیان سے بند کر دینا۔''

''کوئی ضرورت نہیں دروازہ بند کرنے کی۔ آخر چور کیا چرائے گا آ کر...... کام کی چیز تو میں ساتھ لے جا رہا ہوں۔''

مرد کی آواز آئی۔

''کونسی کام کی چیز؟'' عورت کی آواز نے پوچھا۔

''تم''

دونوں کی ہنسی شیبا نے سنی اور پھر اس نے دونوں کو اندھیرے میں گم ہوتے ہوئے دیکھا۔ جب شیبا کو یقین ہو گیا کہ دونوں بہت دور جا چکے ہوں گے تو وہ اٹھی اور بڑی تیزی سے دروازے کے اندر داخل ہوگئی جو دونوں کھلا چھوڑ گئے تھے۔ شیبا نے کمرے میں نظر دوڑائی۔ چیزیں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں۔ گھر کا دیا دونوں جلتا چھوڑ گئے تھے۔ شاید یہ یہاں کی کوئی رسم تھی کیونکہ سارے گھروں کے جھرونکوں میں روشنی تھی۔ کمرے میں جو کچی مٹی سے بڑی خوبصورتی سے بنا تھا یونانی ساخت کے ہتھیار دیواروں پر لٹکے ہوئے تھے۔ تیر، کمان، خنجر، تلواریں، زرہ بکتر، ڈھال۔ ایک طرف لوہے کی خود نما ٹوپی ...... یہ ساری وہ چیزیں تھیں جو شیبا نے اپنے شہر کے میوزیم میں دیکھی تھیں۔ شیبا کو سر دست ان سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اسے

جس چیز کی تلاش تھی وہ کپڑے تھے۔ آخر وہ اسے مل گئے، کمرے کے ایک کونے میں یہ کھونٹیوں پر لٹکے ہوئے تھے ...... شیبا اس طرف بڑھی اور کھونٹی سے کپڑے اتار یئے۔ یہ چھوٹے چھوٹے انڈرویئر تھے۔ شیبا انہیں ہاتھ میں پکڑے دیکھ رہی تھی اور کچھ سوچ رہی تھی۔ اچانک اسے کسی کے اندر آنے کا احساس ہوا اور وہ کپکپا گئی۔ آنکھ اٹھا کر دیکھا تو آنے والا پروفیسر رمزے تھا۔

''آپ نے تو مجھے ڈرا دیا، سر۔'' شیبا نے لمبی سانس کھینچ کر کہا۔

''یہ کچھ ملا ہے۔''

شیبا نے وہ ہاتھ اوپر اٹھایا جس میں اس نے جانگیئے اور انڈرویئر پکڑے ہوئے تھے۔

''مجبوری ہے۔ یہی کچھ پہننا پڑے گا۔''

پروفیسر نے ہاتھ ہلا کر کہا......

''ایتھنز میں آگئے ہیں تو ایتھنز کا پہناوا پہننا پڑے گا۔''

شیبا نے پروفیسر کی بات کا مختصر سا جواب دیا۔

''ہاں۔ یہ تو ہے۔''

اور پھر کھونٹی سے دوسرے کپڑے اتارے۔ یہ یونانیوں کا روایتی لباس تھا جس میں سر ڈالنے کے لئے بڑا سا سوراخ تھا اور پھر آدھا حصہ آگے اور آدھا پیچھے کی طرف ڈھلک جاتا تھا اور ان حصوں کو پیٹ کے قریب ملا کر بیلٹ باندھ لی جاتی تھی ...... شیبا نے ایک لباس پروفیسر رمزے کی طرف بڑھا دیا اور دوسرا خود لے کر

دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف چلی گئی جس میں اندھیرا تھا۔ پروفیسر نے آگے بڑھ کر زمین پر گرا ہوا ایک انڈرویئر اٹھایا تو اندھیرے کمرے سے شیبا کی آواز آئی۔

''آپ کپڑے تبدیل کر کے مجھے آواز دے لیجئے گا سر۔''

پروفیسر رمزے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اپنا کوٹ اور قمیض اتارنے لگا۔ کوٹ سے اپنا شناختی کارڈ، پن اور پرس نکال کر اس نے زمین پر رکھا اور یونانی لباس پہن لیا۔ پینٹ اتارتے ہوئے اس نے تھوڑی سی جھجک محسوس کی۔ اس کمرے کی طرف دیکھا جس میں شیبا کپڑے تبدیل کر رہی تھی اور پھر جلدی سے انڈرویئر پہن لیا اور کپڑے کی بلٹ کی لٹکتی ہوئی پٹیاں جو لباس کے پیچھے حصے کے ساتھ سلی ہوئی تھیں باندھ لیں۔ بیلٹ باندھ کر جب اس نے آنکھیں اوپر اٹھائیں تو شیبا اس کے سامنے کھڑی تھی۔ شیبا کی گوری، خوبصورت ٹانگیں دیکھ کر اس نے ایک بار پھر نظریں جھکا لیں۔

''میں خود بھی یہ پہننا نہیں چاہتی تھی مگر مجبوری ہے سر۔''

شیبا کو پروفیسر رمزے نے دیکھا وہ بالکل بدلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ کٹے ہوئے بال اس کے شانوں پر جھول رہے تھے بالوں میں لمبی گوری گردن سیاہ اینٹوں سے بنے گھر میں سنگ مرمر کے ستونوں کی طرح چمک رہی تھی اور شیبا کی ٹانگیں ...... پروفیسر رمزے کپکپا گیا۔ اس نے اپنے دماغ پر لعنت بھیجی جس میں نہایت فضول سی تشبیہہ آ رہی تھی۔ مصیبت کی اس گھڑی اس نے Imagination کی

پرواز کو سر ہلا کر جھٹکا اور شیبا کو دیکھ کر کہا......

''چلیں۔''

''ہاں چلیں۔'' شیبا نے جواب دیا۔

اور پھر دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔ جانے سے پہلے پروفیسر رمزے اپنا شناختی کارڈ، پرس اور پن اٹھانا نہ بھولا۔ اس نے تینوں چیزیں اٹھا کر اپنے لباس پر نظر ڈالی اس میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں انہیں رکھا جائے۔ شیبا نے پروفیسر رمزے کی اس مشکل کو محسوس کیا۔ کھونٹی پر لٹکے ایک کپڑے پر اس کی نظر پڑی۔ اس نے لپک کر وہ تھیلا اتارا اور پروفیسر رمزے کی طرف بڑھایا۔

''اس میں رکھ لیں۔''

پروفیسر نے وہ تھیلا پکڑا اور تینوں چیزیں اس میں رکھ لیں اور پھر دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔

....

چبوترہ 6 فٹ اونچے بانسوں پر بنایا گیا تھا۔ چاروں کونوں پر بڑی بڑی مشعلیں روشن تھیں۔ چبوترے پر دیو مالائی دیوتاؤں اور دیویوں کی مورتیاں ایستادہ تھیں۔ گول دائرے میں تکیوں کی ایک قطار بنی تھی جس کے بیچوں بیچ ایک نشست پر چمکدار مخمل کا کپڑا بچھا تھا جس پر سونے چاندی کی تاروں سے کڑھائی کی ہوئی تھی۔ اس نشست پر ایک بوڑھا داستان گو بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک نوجوان دوشیزہ جس کے کانوں میں لمبے لمبے بُندے لہرا رہے تھے۔ دونوں کے سروں پر ایک چمکدار دھات کا گول تاج نما زیور سجا ہوا تھا۔ پروفیسر رمزے اور شیبا جب چبوترے سے کچھ فاصلے پر جا کر رکے تو داستان گو اس جزیرے کا نقشہ بیان کر رہا تھا جس میں اوڈی سی لیس کو ایک جادوگرنی نے قیدی بنا رکھا تھا۔

''جزیرے میں بہتے ہوئے جھرنوں کی جھانجھروں سے گیتوں کے سر مچل مچل کر شاخوں پر کھلی کلیوں کو گدگدا رہے تھے۔ بلبلیں، چڑیاں، فاختائیں آنکھیں بند کئے گیتوں سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ آسمان پر تیرتے بادل گیتوں کی مدھر لے پر چلنا بھول گئے اور جزیرے پر رک گئے۔ ہوا شاخوں پر پڑاؤ ڈالے بیٹھی تھی

اور فیصلہ کرلیا تھا کہ سارا جہان بے شک حبس سے مر جائے، جب تک یہ گیت بجتے رہیں گے جزیرے سے کوچ نہیں کروں گی۔''

داستان گو نے آخری جملے پر اپنے ساتھ بیٹھی دوشیزہ کو اشارہ کیا اور دوشیزہ ہاتھ لہرا کر بولی......

''جھرنوں کا مدھر پانی اپنے دائیں بائیں اگی سنبل اور ریحان کی ریشمی گھاس سے اٹھکیلیاں لیتا ہوا سیدھا وہاں جا کر رک گیا جہاں اوڈی سی لیس پانی میں پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا۔ پانی نے اوڈی سی لیس کے پیروں کی تلیوں کو چوما اور گدگدی کی مگر اوڈی سی لیس ٹس سے مس نہیں ہوا۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ اپنی بیوی کے بارے میں فکر مند تھا جو گزشتہ اٹھارہ سال سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے اپنا بیٹا یاد آ رہا تھا جس کی شکل بھی اسے یاد نہ تھی جب وہ ٹرائے (Troy) کے لئے روانہ ہوا تھا تو بیٹے کی عمر صرف ایک سال تھی......

''اب نہ جانے وہ کیسا ہو گا؟''

اوڈی سی لیس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو قطرے گرے اور پانی انہیں اپنے ساتھ بہا کر بہت دور لے گیا۔''

لڑکی یہاں تک کہہ پائی تھی کہ بوڑھا گرجدار آواز میں بولا......

''یہ جزیرے میں اوڈی سی لیس کی کیفیت تھی مہربانو۔ اب بادلوں میں بنے محل میں رہتے دیوتاؤں کا حال سنو۔ ایک بہادر سپاہی کو 18 سال ذلیل وخوار،

بے گھر بے سہارا کر کے کچھ بہت خوش تھے۔ کچھ بہت فکر مند...... مگر ہر دیوتا کی اپنی اپنی دنیا تھی۔ اپنا اپنا اقتدار...... نہ کوئی کسی کے کام میں دخل دیتا تھا، نہ مخافت کر سکتا تھا۔ انسان سے ناخوش ہو کر وہ اسے ذلیل بھی کرتے تھے اور خوش ہو کر اس کے ناز بھی اٹھاتے تھے۔ اوڈی سی لیس دیوتاؤں کی ناراضگی ہی کا شکار تھا اور دیوتا اسے تختہ ستم بنائے ہوئے تھے۔"

بوڑھا داستان گو یہ بات کہہ کر خاموش ہو گیا اور دوشیزہ نے بات آگے بڑھائی۔

"آسمانی دیوتاؤں کے غصے سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ نہ پرومیتھیس، نہ ایڈی پس اور نہ اتجکس۔ ان سے نذر نیاز دے کر ہی چھٹکارا ممکن ہے۔ ہم سب کھلونے ہیں جن سے وہ کھیلتے ہیں۔ ہم سب مکھیاں ہیں جنہیں مار کر وہ خوش ہوتے ہیں۔ ہم لٹو ہیں جنہیں گھما کر وہ مزہ لیتے ہیں۔"

لوگ داستان سننے میں ہمہ تن گوش تھے۔ مجال ہے کہیں سے کوئی آواز سنائی دے۔ سب کے سب منہ اٹھائے داستان گو کو دیکھ رہے تھے۔ عورتوں کی گود میں سوئے جب کسی شیر خوار بچے کی آنکھ کھلتی اور وہ نیند میں کسمسا کر رونے کی آواز نکالتا تو ماں بغیر اس کی طرف دیکھے دودھ منہ میں دے دیتی لیکن کان اور آنکھیں داستان گو کی طرف متوجہ رہتے۔

پروفیسر رمزے اور شیبا کے لئے یہ منظر بڑا متاثر کن تھا۔ دونوں داستان سننے میں محو تھے۔ شیبا کے ساتھ کھڑے ایک یونانی نوجوان نے شیبا کو آنکھ بھر کر دیکھا

تو اس کی نظر شیبا کے بازوؤں پر رک گئی جس پر مشعل کی روشنی پڑ رہی تھی اور اس کا گورا بازو عجیب سی چمک پیدا کر رہا تھا۔ یونانی نوجوان پہلے تو دیکھتا رہا پھر اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی بازو پر پھیرنا شروع کر دی۔ شیبا نے اچانک مڑ کر اس نوجوان کی طرف دیکھا، نوجوان شیبا کی تیز مگر خوبصورت آنکھوں کی تاب نہ لا سکا اور ذرا سا ایک طرف ہو گیا۔ شیبا نے اپنے بازو پر ہاتھ پھیر کر نوجوان کی انگلیوں کے لمس کو صاف کیا اور پروفیسر کے بالکل ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ پروفیسر رمزے نے جب شیبا کے جسم کی حرارت محسوس کی تو وہ ایک پل کے لئے کپکپا گیا اور اس سے ذرا سا دور کھسک کر کھڑا ہو گیا۔ شیبا یہ دیکھ کر مسکرائی اور پھر کھسک کر پروفیسر کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اور اپنا بازو رمزے کے کاندھے پر رکھ دیا۔ اس سے پہلے کہ پروفیسر رمزے شیبا کی اس حرکت پر کسی ردعمل کا اظہار کرتا، بوڑھے داستان گو کی گرج دار آواز نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔

”خبردار، ہوشیار، دیوتاؤں کو کبھی ناراض نہ کرنا ورنہ وہ تمہیں برباد کر دیں گے۔ تھیبز کے لوگوں کو پہیلی بوجھ کر عذاب سے بچانے والے ایڈی پس اور اس کی نسل کا انجام دیکھا۔ کیسے دیوتاؤں نے انہیں برباد کیا۔ باپ کو بیٹے کے ہاتھ سے قتل کرانا، بیٹے کی ماں سے شادی کرانا، بھائی سے بھائی کو قتل کرانا، ان کا مشغلہ ہے۔ اس لئے ان کی ناراضگی سے بچو اور قربانیاں دے کر انہیں خوش کرو۔“

داستان گو آگے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن چبوترے کے بالکل سامنے بیٹھے ہوئے آدمیوں میں سے ایک تنومند چوڑے شانوں والا قد آور آدمی اچانک کھڑا ہوا

اور ہاتھ لہرا کر داستان گو کو للکار کر اونچی آواز میں بولا ......

''یہ سب جھوٹ اور بکواس ہے۔ بند کرو، یہ بے معنی اور من گھڑت باتیں۔ دیوتا اگر یہ سب کچھ کرتے ہیں تو وہ دیوتا نہیں۔ خود سب کچھ کر کے دیوتاؤں کو بدنام نہ کرو۔ اپنے جرم ان کے کھاتے میں مت لکھواؤ۔''

یہ بات سن کر سارے پنڈال میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ داستان گو دوشیزہ کی طرف دیکھنے لگا اور پھر اس نے چبوترے کے قریب بچھے تخت کی طرف دیکھا جہاں تین آدمی بیٹھے تھے۔ ان کے لباس عام لوگوں سے مختلف تھے۔ ان کے اردگرد چار آدمی تلواریں لے کر کھڑے تھے۔ پروفیسر رمزے نے شیبا کے کان میں سرگوشی کی۔

''یہ انتظامیہ کے اعلیٰ افسر لگتے ہیں؟''

شیبا نے گردن ہلا کر پروفیسر رمزے کی بات کی تائید کی۔ داستان گو نے گردن موڑ کر تخت پر بیٹھے آدمیوں سے کہا......

''سولون آپ مجسٹریٹ ہیں، یہ تقریب آپ کے زیرِ نگرانی منعقد ہو رہی ہے۔ یوری پیڈیز کے اعتراض کا جواب بھی آپ خود دیں۔''

یوری پیڈیز کا نام سن کر شیبا کا چہرہ کِھل اٹھا اور وہ پروفیسر رمزے کیطرف دیکھ کر بولی......

''اُف مائی گاڈ۔ سر، یہ یوری پیڈیز ہے۔''

''ہاں۔ یہ بات یہی کر سکتا تھا۔''

داستان گو کی بات سن کر تخت پر درمیان میں بیٹھا آدمی کھڑا ہوا اور یوری پیڈیز کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا......

''تم کس منہ سے اس تقریب میں آ گئے ہو۔ سارا ایتھنز تم پر تھو تھو کرتا ہے۔ نہ تم مذہب کے قائل ہو، نہ روایت کے۔ مرد تم سے نالاں ہیں، عورتوں میں تم ''برے شوہر'' کے نام سے مشہور ہو۔ دو بیویاں تمہارے برے رویئے سے تنگ آ کر مر چکی ہیں...... یہ دیوتاؤں کا تم پر عذاب نہیں تو اور کیا ہے۔''

''میں نہیں مانتا اس بات کو۔''

یوری پیڈیز نے جواب دیا۔

''تم اور تمہارا دوست دونوں ہی ضدی ہو۔''

سولون نے کہا......

''ہم ضدی اس لئے ہیں کہ ہم دونوں سچے ہیں اور تم اسی لئے ہم سے جلتے ہو۔ کیا اب ایتھنز میں سچی بات کرنا جرم بن گیا ہے۔''

یوری پیڈیز نے ہاتھ ہلا کر لوگوں سے پوچھا......

''جو سچ شہریوں میں بے چینی اور افراتفری پیدا کرے ہم وہ سننا نہیں چاہتے۔'' سولون نے کہا۔

''اسی لئے تم نے مجھے ڈرامہ کرنے کی اجازت نہیں دی اور میرے ڈرامے کو رد کر دیا ہے۔''

''ہاں'' سولون نے کہا۔

''تم نے یونانیوں کو ڈرامے میں ظالم، سنگدل اور بداخلاق دکھایا ہے۔''

''کیا عورتوں کو بیچنے والا، بچوں کو زنجیریں پہنانے والا، ظالم اور سنگدل نہیں ہوتا۔''

یوری پیڈیز نے چلا کر کہا......

''تمہاری فوج نے جزیرہ فتح کر کے یہی کچھ کیا تھا لوگوں سے، میں نے ڈرامے میں سچی بات لکھ دی تو تم نے میرے ڈرامے پر ایتھنز میں نہ کھیلے جانے کی مہر لگا دی۔''

سولون نے کہا......

''ہاں میں نے ایسا ہی کیا ہے۔ تم کیا کرو گے۔''

''میں یہ ڈرامہ سٹیج کروں گا۔''

یوری پیڈیز نے تیزی سے جواب دیا۔

''لیکن ایتھنز کے اندھے، بہرے لوگوں کے سامنے نہیں، اسے وہاں اسٹیج کروں گا جہاں ایتھنز کی حد ختم ہو جاتی ہے۔''

''جنگل میں مور ناچے گا تو کون دیکھے گا۔''

سولون نے ہنس کر کہا......

''مجھے ایک بھی دیکھنے والا مل گیا تو میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔''

''تو پھر ہم پر ایک مہربانی کرو۔ یہاں سے چلے جاؤ۔'' سولون نے کہا۔

اور پھر موڈ بدل کر افسرانہ لب ولہجہ میں بولا۔

''ورنہ میں تمہیں زبردستی باہر نکلوا دوں گا...... ہماری محفل میں بدمزگی پیدا نہ کرو اور چلے جاؤ۔''

سولون کی یہ بات سن کر لوگوں میں جان سی پیدا ہو گئی۔ایک کونے سے آواز آئی۔

''اسے نکال دو باہر۔''

''بلکہ ایتھنز سے باہر نکال دو۔''

دوسری آواز آئی اور پھر پنڈال میں شور برپا ہو گیا۔

''یہ برا شوہر ہے نکالو اسے۔''

''اسے عورتوں میں کوئی خوبی ہی نظر نہیں آئی۔''

ایک نسوانی آواز گونجی۔

''بد دیانت ہے، نکالو اسے باہر۔''

یوری پیڈیز نے یہ ساری باتیں سنیں۔اس نے وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور پنڈال سے باہر نکل گیا۔

یوری پیڈیز کے بعد پنڈال سے دو افراد اور نکلے وہ تھے ...... پروفیسر رمزے اور شیبا۔

....

یوری پیڈیز پنڈال سے نکلا تو ہجوم کی آوازیں مسلسل اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ اس نے دو ایک بار پیچھے مڑ کر لوگوں کی طرف دیکھا اور زیرِ لب کچھ بڑبڑایا اور پھر درختوں میں جاتی ہوئی پگڈنڈی پر چلنے لگا۔ پروفیسر رمزے اور شیبا ذرا فاصلے پر اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ شیبا نے پروفیسر رمزے سے دھیمی آواز میں پوچھا۔ ''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

پروفیسر رمزے رک گیا اور اندھیرے میں شیبا کو گھورتے ہوئے آہستہ سے بولا...... ''پورے ایتھنز میں اگر کوئی آدمی ہماری بات سن کر یقین کر سکتا ہے تو وہ یوری پیڈیز ہے۔''

یہ کہہ کر وہ پھر چل دیا۔ شیبا بھی اس کے پیچھے چل دی۔

یوری پیڈیز چلتے چلتے اچانک ایک بڑے پتھر کے قریب رک گیا۔ پتھر کے ساتھ ایک چھوٹا سا چشمہ بہہ رہا تھا۔ پانی کی آواز اندھیرے میں عجیب آواز پیدا کر رہی تھی۔ یوں لگتا جیسے کوئی بوڑھا آدمی جس کے سارے دانت ٹوٹ چکے ہوں، کوئی بات کہنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یوری پیڈیز نے جھک کر پانی دونوں ہاتھ میں بھرا اور

پھر اپنے چہرے پر ڈال لیا اور پتھر کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔ اپنے دونوں پاؤں سامنے بیٹھے ہوئے پانی میں ڈال دیئے اور گیلے ہاتھوں کو بالوں پر پھیر کر بڑبڑایا۔

''ایتھنز والے سمجھتے ہیں میں ان کی کائیں کائیں سے لکھنا بند کر دوں گا ......لکیر کے فقیر ہیں بدبخت۔ کوئی نئی بات سننا پسند ہی نہیں کرتے۔''

پروفیسر رمزے اور شیبا دونوں اس سے ذرا فاصلے پر ایک درخت کی اوٹ میں کھڑے یہ سب باتیں سن رہے تھے۔

یوری پیڈیز دائیں بائیں گردن گھما کر پھر بڑبڑایا......

''کوئی میری بات پر غور ہی نہیں کرتا۔''

پروفیسر رمزے یہ بات سن کر شیبا کا ہاتھ پکڑ کر درخت کی اوٹ سے نکل کر یوری پیڈیز کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور سینہ تان کر بولا......

''ہم سنتے ہیں غور سے آپ کی بات۔''

شیبا نے فوراً اگلا جملہ کہا......

''اور آپ کی باتیں ہمیں یاد بھی ہیں۔ آپ کے ڈرامے، آپ کے کردار، صرف ہمیں ہی نہیں، ساری دنیا سے انہوں نے داد حاصل کی ہے۔''

یوری پیڈیز نے دونوں کو غور سے دیکھا اور ہنس کر کہا......

''تمہیں میرا مذاق اڑانے کے لئے اس بدبخت لکھاری ارسٹوفینیز نے بھیجا ہے یا تم سولون (Solon) کے جاسوس ہو۔''

پروفیسر رمزے نے کہا......

''آپ کے دونوں شکوک غلط ہیں۔ ہم ایتھنز کے رہنے والے نہیں۔''

''یہ تو اچھی بات ہے'' یوری پیڈیز نے کہا......

''یہ جگہ رہنے کے قابل بھی نہیں۔''

یوری پیڈیز نے پھر کھڑے ہو کر پروفیسر رمزے اور شیبا کو سر سے لے کر پاؤں تک غور سے دیکھا۔ اس کی موٹی موٹی آنکھوں کو اندھیرے میں دونوں کا چہرہ دیکھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ جب وہ انہیں نظر بھر کے دیکھ چکا تو بولا......

''اچھا اگر تم ایتھنز کے شہری نہیں ہو تو پھر کون ہو، کہاں سے آئے ہو، غیر ملکی ہو، مصری ہو، سپارٹا کے رہنے والے ہو یا ایڈی پس کے شہر تھیبز کے شہری۔''

''ہمارا ان میں سے کسی جگہ سے بھی تعلق نہیں۔''

پروفیسر رمزے بولا۔

''تو پھر تم آسمان کی گود سے پھسل کر زمین پر گرے ہو۔''

یوری پیڈیز نے جواب دیا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔''

''تو پھر اصل بات کیا ہے'' یوری پیڈیز بولا......

پروفیسر رمزے یوری پیڈیز کی بات سن کر کچھ سوچنے لگا اور پھر بولا......

''ہمارے حال نے ہمیں آپ کے ماضی میں دھکیل دیا ہے۔''

یوری پیڈیز ذرا سا چونکا اور پھر گردن ہلا کر بولا......

''میں تمہاری بات سمجھا نہیں۔''

''آپ جیسے مہان لکھاری کے سامنے میں کھل کر کیسے بات کروں۔ یہ میری بھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''تم کھل کے بات کرو، میں سن رہا ہوں۔''

پروفیسر رمزے ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ بات کیسے شروع کرے، اس سے پہلے شیبا یوری پیڈیز کو مخاطب کر کے بولی......

''سر۔ ہم مسیح کی وفات کے 21 سو سال بعد کی دنیا کے لوگ ہیں۔''

یوری پیڈیز چونک کر بولا......

''یہ مسیح کون ہے؟''

شیبا نے جواب دیا......

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔''

یوری پیڈیز اسی حیرانی کے ساتھ بولا......

''کون حضرت عیسیٰ؟''

شیبا کے لئے اب سمجھانا مشکل تھا چنانچہ اس نے پروفیسر رمزے کا بازو دبایا۔ پروفیسر رمزے بولا......

''یہ ایک پیغمبر ہیں، جو خدا کی مرضی کے مطابق بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔''

یوری پیڈیز یہ بات سن کر ہنسا اور بولا......

''تمہاری یہ باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں مگر تمہاری باتوں سے مجھے تھوڑے تھوڑے سچ اور معصومیت کی خوشبو آتی ہے۔''

پھر یوری پیڈیز پروفیسر رمزے کے قریب آیا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا ......

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''رمزے...... پروفیسر رمزے''

پروفیسر رمزے نے زبان ہونٹوں پر پھیر کر کہا...... یوری پیڈیز نے جب اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو اسے محسوس ہوا جیسے وہ منوں وزن کے نیچے دبا جا رہا ہے۔ وہ یوری پیڈیز کی تحریروں کا دیوانہ تھا۔ میڈیا اور السٹس اس کے پسندیدہ ڈرامے تھے۔ آج وہ مہان لکھاری اس کے سامنے کھڑا تھا اور اس کا وہ ہاتھ جس نے یہ ڈرامے لکھے تھے اس کے کاندھے پر تھا۔

''پروفیسر رمزے۔'' یوری پیڈیز نے نام دہرایا۔

''جی۔ پروفیسر رمزے'' رمزے نے کہا۔

''میں ایک کالج میں عالمی ادب کا استاد ہوں۔ میں نے آپ کے ڈراموں پر ایک تنقیدی کتاب لکھی ہے۔ میڈیا، السسٹس اور آپ کا ڈرامہ Tronjon Woman میرے پسندیدہ فن پارے ہیں۔''

"Tronjan Woman" تم نے کہاں سے پڑھ لیا، وہ تو ابھی تک میں نے اسٹیج ہی نہیں کیا۔'' یوری پیڈیز حیران ہو کر بولا ......

''مگر آپ کے ڈرامے تین جلدوں میں کئی بار چھپ چکے ہیں۔''

''کہاں؟'' یوری پیڈیز حیران ہو کر بولا ......

''میری دنیا میں۔'' رمزے بولا۔

''جو ڈرامے میں نے ابھی تک لکھے نہیں، وہ میرے لکھنے سے پہلے چھپ کیسے گئے......؟''

یوری پڈیز نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

پروفیسر رمزے نے تیزی سے جواب دیا......

''میں آپ سے 24 سو سال بعد کا آدمی ہوں۔''

''اور میرے سامنے کھڑے مجھ سے بات کر رہے ہو۔''

یوری پیڈیز نے ہنس کر کہا......

''یہی بات ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ ہم ایک سرنگ کا فاصلہ طے کر کے 21 ویں صدی سے 350 ق۔م میں کیسے آ گئے؟''

''ہماری تاریخ میں آپ ڈھائی ہزار سال پہلے مر چکے ہیں۔'' شیبا نے کہا۔

''اور میں مر کے تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔''

یوری پیڈیز نے قہقہہ لگا کر کہا......

''تمہاری باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں، ہاں مگر ایک آدمی تمہاری باتیں سن کر یقین کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔''

''کون ہے وہ؟'' شیبا نے اچانک پوچھا۔

''میرا واحد دوست، سارا ایتھنز میرے خلاف ہے صرف وہی میری حمایت میں کلمہ خیر کہتا ہے۔ اس کا نام سقراط ہے۔ لوگ اس کے بھی اتنے ہی خلاف

ہیں، جتنے میرے۔ میں تمہیں اس کے پاس لے چلتا ہوں۔''

سقراط کا نام سن کر پروفیسر رمزے سر سے لے کر پاؤں تک کپکپا گیا۔ اس کے لرزتے ہوئے بدن کی کپکپاہٹ شیبا نے بھی محسوس کی اور اس نے پروفیسر رمزے کے بازو کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''تم لوگوں نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔''

یوری پیڈیز نے دونوں کو چپ دیکھ کر پوچھا......

''چلو گے سقراط کے پاس؟''

پروفیسر رمزے نے بڑی محنت کے ساتھ جملہ مرتب کر کے کہا......

''بھلا پیاسے کنویں کے پاس جانے سے انکار کر سکتے ہیں۔''

''تو پھر چلو۔''

یوری پیڈیز نے دائیاں ہاتھ پگڈنڈی کی طرف لہرا کر کہا۔

یہ کہہ کر یوری پیڈیز نے قدم بڑھائے تو وہ دونوں بھی چل پڑے۔ چند قدم چل کر اچانک یوری پیڈیز رکا اور دونوں کی طرف گردن موڑ کر کہا......

''سقراط کی بیوی بڑی دوزخی عورت ہے۔ جب ہم سقراط کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے تو وہ جواب میں ہمیں اور سقراط کو ننگی ننگی گالیاں دے گی۔ اپنے کان بند کر لینا۔ سقراط دوزخ میں کھلا گلاب کا پھول ہے۔ بیوی کی گالیاں سن کر بھی ہنستا رہتا ہے۔''

''مجھے اس بات کا پتہ ہے۔'' رمزے نے کہا۔

''تمہیں کیسے پتہ ہے، تم سقراط کے گھر جا چکے ہو؟''

''نہیں میں نے کتابوں میں پڑھا ہے۔''

پروفیسر رمزے نے یہ کہہ کر یوری پیڈیز کو ایک بار پھر حیران کر دیا۔

یوری پیڈیز جھنجھلا کر بولا......

''یہ سب کچھ کتابوں میں کیسے آ گیا؟''

شیبا نے بڑے ملائم اور نرم لہجے میں یوری پیڈیز سے کہا......

''سر۔ آپ بھول رہے ہیں، میں نے آپ کو پہلے بھی بتلایا ہے۔''

یوری پیڈیز نے شیبا کی بات کاٹی اور کہا......

''یہی کہ تم لوگ مجھ سے 24 سو سال کے بعد کے انسان ہو۔ میں 2400 سال پہلے مر چکا ہوں۔ تم اپنے حال سے میرے ماضی میں مجھے پریشان کرنے کیلئے آ گئے ہو۔''

پروفیسر رمزے اور شیبا نے ہنس کر سر ہلائے۔

یوری پیڈیز نے بھی جواب میں مسکرا کر کہا......

''فکر نہ کرو...... ذرا سقراط سے مل لو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے ماضی سے تمہارے حال کی ایسی تیسی کر دے گا۔''

پروفیسر رمزے اور شیبا کو یقین تھا کہ سقراط اپنی گفتگو کے سحر اور دلائل سے ایسا ہی کرے گا۔

............☆☆☆............

ایتھنز کا پورا شہر ''داستان گو'' کی تقریب میں جمع تھا۔ راستے میں انہیں اکا دکا آدمی ملے جنہوں نے سرسری انداز میں یوری پیڈیز اور پروفیسر رمزے کو دیکھا جو مسلسل یوری پیڈیز کو دیکھ رہا تھا۔ شیبا پروفیسر رمزے کے چہرے پر ناچتی خوشی کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ کلاس میں جب بھی یوری پیڈیز کا نام آتا تھا پروفیسر رمزے کھل کر بات کرتے تھے۔

> ''یوری پیڈیز کی ساری ہمدردیاں (Down to Earth) لوگوں کے ساتھ ہیں۔ اس کے کردار، ظلم سہتے ہوئے افراد ہیں۔ ٹالسٹائی نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ ہم سب مل کر بھی وہ کام نہیں کر سکے جو یوری پیڈیز نے اکیلے کیا ہے۔ اس نے بادشاہ، شہزادی اور امیروں کے کرداروں کی بجائے ملاحوں، مچھیروں اور مظلوموں کی بات زیادہ کی ہے۔''

یوری پیڈیز لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا جا رہا تھا۔ پروفیسر رمزے اس کے پیچھے پیچھے اس کے قدموں کی چھوڑی ہوئی مٹی پر اپنے پاؤں رکھنے کی کوشش کر رہا تھا

......شیبا کو شرارت سوجھی، وہ پروفیسر رمزے کے برابر سے ہٹ کر اس کے پیچھے چلی گئی اور پروفیسر رمزے کے نقش پا ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان پر اپنے پاؤں رکھنے لگی۔

پروفیسر رمزے نے مڑ کر دیکھا اور پوچھا......

''یہ کیا کر رہی ہو؟''

''آپ کیا کر رہے ہیں؟'' شیبا نے ہنس کر پوچھا۔

پروفیسر رمزے کوئی جواب نہ دے سکا تو شیبا نے کہا......

''آپ ان کے پیچھے...... میں آپ کے پیچھے۔''

''وہ بہت بڑا آدمی ہے۔'' پروفیسر زمرے نے کہا۔

''آپ بھی بہت بڑے ہیں۔'' شیبا نے کہا۔

یوری پیڈیز جو ان سے بہت آگے نکل چکا تھا دونوں کو پیچھے دیکھ کر رکا اور اونچی آواز میں کہا......

''کیوں بھئی، کیا پھر مسیح کے بعد کے زمانے میں جانے کا ارادہ ہے۔''

پروفیسر رمزے اور شیبا تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے یوری پیڈیز کے قریب آ گئے۔ یوری پیڈیز نے کہا......

''جلدی چلو، سقراط کہیں سو نہ جائے۔''

تینوں پھر چل دیئے۔ اچانک یوری پیڈیز رکا اور شیبا کو دیکھ کر پوچھا......

''تم ننگے پاؤں ہو، تمہاری جوتی کہاں ہے۔''

پروفیسر رمزے کو بھی یوری پیڈیز کے پوچھنے پر یاد آیا کہ شیبا کی جوتی تو غار

کے پاس رہ گئی تھی اور وہ سارا سفر ننگے پاؤں کر رہی ہے۔

''کہاں ہے تمہاری جوتی؟''

یوری پیڈیز نے دوبارہ پوچھا۔

''سر جوتی ٹوٹ گئی تھی، میں اسے پیچھے چھوڑ آئی ہوں۔''

شیبا نے جواب دیا۔

یوری پیڈیز نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑھ کر کہا......

''تمہاری آنکھوں کی چمک چغلی کھاتی ہے کہ تم 19 یا 20 سال سے زیادہ کی نہیں ہو۔ اس عمر میں پاؤں نازک اور ملائم ہوتے ہیں اور یہ راستہ جس پر ہم چل رہے ہیں، سخت اور پتھریلا ہے۔ تمہارے پاؤں تو زخمی ہو گئے ہوں گے؟''

شیبا نے ہنس کر کہا......

''نہیں ابھی نہیں ہوئے۔''

یوری پیڈیز نے دوبارہ چلنا شروع کر دیا۔ پروفیسر رمزے اور شیبا کے لئے یونانی لباس اب الجھن بننا شروع ہو گیا تھا۔ پروفیسر رمزے کا ہاتھ بار بار بازوؤں کو سہلا رہا تھا اور شیبا کو محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی ٹانگوں پر ایک ٹھنڈی سی لہر بار بار آ کر لپٹ رہی ہے۔ دو ایک بار رک کر اس نے اپنے گھٹنوں پر ہاتھ بھی پھیرا۔ یوری پیڈیز نے کن انکھیوں سے دیکھا اور کہا......

''رات کے آخری حصے میں سمندری ہوا علاقے میں سردی کی لہر لے کر آتی ہے۔ ہمیں یہ سردی محسوس نہیں ہوتی۔ تم دونوں اس کے عادی نہیں ہو اس لئے

ٹھنڈک محسوس کر رہے ہو۔"

یوری پیڈیز دونوں کو لے کر گھروں کی آبادی میں داخل ہو گیا۔ ایک قطار میں بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے گھروں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ یہاں کے رہنے والے متوسط طبقے کے لوگ ہوں گے۔ کوئی گھر وسیع اور کھلے رقبے پر نہیں بنا ہوا تھا۔ چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل گھر تھے ...... ہر گھر کے سامنے ایک چبوترا بنا ہوا تھا۔

یوری پیڈیز ایک گھر کے سامنے جا کر رک گیا اور پروفیسر رمزے کی طرف دیکھ کر ہونٹوں پر انگلی رکھ لی جیسے اسے خاموش رہنے کی تلقین کر رہا ہو۔ پھر چبوترے پر چڑھ گیا اور بند دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ جب اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو پھر ذرا زور سے دستک دی۔ اس بار اندر سے ایک نسوانی آواز نے چلا کر پوچھا......

"کون بد بخت ہے؟"

یوری پیڈیز نے جواب دیا......

"یوری پیڈیز۔"

نسوانی آواز نے پھر چیخ کر پوچھا......

"تمہیں ہرکلیز مارے۔ اس وقت کیا لینے آئے ہو؟"

یوری پیڈیز نے بڑے اطمینان سے جواب دیا......

"سقراط کو لینے آیا ہوں۔"

نسوانی آواز خاموش ہو گئی اور پھر دھڑ سے دروازہ کھلا اور ایک عورت جس

کے کرخت نقش و نگار اندھیرے میں بھی چمک رہے تھے، تن کر یوری پیڈیز کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"کیوں سقراط کا تم نے اچار ڈالنا ہے؟"

یوری پیڈیز نے قہقہہ لگایا اور پھر بولا ......

"اگر تمہاری جگہ میں اس کی بیوی ہوتا تو یہ کام بھی کر لیتا۔"

شیبا نے پروفیسر رمزے کے کان کے قریب منہ لے جا کر کہا......

"یہ سقراط کی بیوی ہے؟"

سقراط کی بیوی نے شیبا کی یہ سرگوشی سن لی تھی وہ یوری پیڈیز کو ایک طرف ہٹا کر بولی ......

"ہاں ہوں میں بیوی۔ تجھے شوق ہے تو تُو بن جا۔"

شیبا یہ بات سن کر چکرا گئی اور پروفیسر رمزے کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ یوری پیڈیز نے سقراط کی بیوی سے کہا......

"یہ ایتھنز کے باشندے نہیں، باہر سے آئے ہیں۔ مہمان ہیں ہمارے۔ ان سے اس لہجے میں بات کر کے کیوں یونانیوں کو بدنام کر رہی ہو۔"

ابھی یوری پیڈیز نے بات ختم نہیں کی تھی کہ سقراط دروازے سے باہر آیا۔ موٹی موٹی ذہین آنکھیں، گھنگریالے بال، بدصورت چہرے پر بکھرا ہوا سارے جہان کا حسن یوری پیڈیز کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور اپنی بیوی کی طرف دیکھ کر بولا......

''ایک مدت سے سمجھا رہا ہوں اسے کہ جو گالیاں دینی ہیں مجھے دے لیا کر۔ جو کہنا ہے مجھے کہہ لیا کر۔ دوسروں کو برا بھلا کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کیا کر۔''

سقراط کی بیوی نے ہاتھ نچا کر سقراط سے کہا......

''اچھا۔ تو تم شرمندہ بھی ہوتے ہو؟''

پھر قہقہہ لگا کر بولی......

''چلو اگر شرمندہ ہوتے ہو تو آٹے کا کنستر خالی دیکھ کر تمہیں شرم نہیں آتی۔ جس دکاندار سے میں تین مہینے سے ادھار کھانے پینے کا سودا لے رہی ہوں، وہ جب پیسے مانگتا ہے تو تمہیں شرم نہیں آتی؟''

سقراط نے اور زیادہ دھیمے لہجے میں کہا......

''غربت پر کیا شرمانا۔ یہ تو موسمی دھوپ ہے چمکتی ہے اور پھر ڈھل جاتی ہے۔ میں روحانی قدروں کے زوال پر شرمندہ ہوتا ہوں جس میں تم ناکوں ناک دھنسی ہوئی ہو۔''

''ناک کی بات تم کرتے ہو جس کی ناک ہی نہیں۔''

سقراط کی بیوی نے لرزتی انگلی سے سقراط کی طرف اشارہ کیا۔

''سارے ایتھنز میں بیٹھی ناک صرف تمہاری ہے۔ مینڈک کے چہرے والا۔ دیوتاؤں نے میرے ہی مقدر میں لکھ دیا تھا......''

یہ کہہ کر وہ گھر میں داخل ہوئی۔ دروازہ بند کرنے سے پہلے بولی......

''کھڑے کیا ہو، نیند تو تمہارے مقدر میں لکھی ہی نہیں دور دراز کے

علاقے سے آئے ہیں تمہارے مہمان ان سے نئی نئی باتیں سنکر اپنا شوق پورا کرو۔ مجھے سونے دو۔"

اور پھر دھڑ سے دروازہ بند کرلیا۔

پروفیسر رمزے اور شیبا دونوں ایک دوسرے سے جڑے سہمے کھڑے تھے۔ سقراط نے ان کے چہروں پر بکھری حیرانی دیکھ لی تھی۔ مسکرا کر بولا......

"تمہیں شاید اچھا نہ لگا ہو۔ میرے ساتھ روز ایسے ہی ہوتا ہے میں عادی ہوگیا ہوں اس کی باتوں کا۔"

یوری پیڈیز نے دونوں کی طرف اشارہ کر کے کہا......

"یہ دونوں عجیب باتیں کرتے ہیں جو ہم نے ابھی دیکھا نہیں وہ یہ جانتے ہیں جو میں نے لکھا نہیں وہ یہ پڑھ چکے ہیں۔"

پھر ہنس کر سقراط کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا......

"2500 سال آگے کی دنیا سے پلٹ کر آئے ہیں۔ ان کی دنیا میں تم اور میں مرحومین سمجھے جاتے ہیں...... کیسی بات ہے؟"

سقراط کو یوری پیڈیز کی بات سن کر کوئی حیرانی نہیں ہوئی۔ نہ وہ چونکا۔ بڑے اطمینان سے بولا......

"یہ حیران ہونے والی بات نہیں۔ سوچنے کی بات ہے۔ وقت اگر آگے جا سکتا ہے تو اس میں پیچھے کی طرف چلنے کی قوت بھی موجود ہے۔ شاید کسی بھولی چیز کو ڈھونڈنے پیچھے آگیا ہو۔"

''یہ منطق تم ہی سمجھ سکتے ہو۔'' یوری پیڈیز نے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا......

''نہیں۔ میں تمہیں بھی سمجھا سکتا ہوں۔'' سقراط بولا۔

'' کیسے؟'' یوری پیڈیز نے پوچھا۔

''تم اس راستے سے آئے ہوناں؟''

سقراط نے اس طرف اشارہ کیا جدھر سے یوری پیڈیز اور رمزے آئے تھے۔

''ہاں'' یوری پیڈیز بولا۔

''چلو یہ بات طے ہوگئی کہ تم ادھر سے آئے ہو۔''

سقراط نے کہا اور پھر بات آگے بڑھائی۔

''چلو اب ہم اسی راستے سے واپس چلتے ہیں۔''

سقراط اس کا ہاتھ پکڑ کر چبوترے سے اترا اور اس گلی میں آ گیا جس گلی سے تینوں اس کے گھر آئے تھے اور چلتے چلتے بولا......

''اب تم ادھر واپس جا رہے ہو جدھر سے تم آئے تھے۔ وقت بھی ان دونوں کو لے کر واپس آیا ہے جدھر سے وہ گیا تھا...... میں بھی تمہیں لے کر اس جمنیزیم میں واپس جا رہا ہوں جس سے میں 12 بجے اپنے گھر آیا تھا۔

یوری پیڈیز نے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور کہا......

''مجھے آسمانی دیوتاؤں کی قسم۔ سارے ایتھنز میں صرف تم ہی ایک عقل مند آدمی ہو۔ باقی سب بے وقوف ہیں۔''

سقراط نے ہنس کر کہا......

''دوسرے عقل مند آدمی کو تم بھول گئے ہو۔''

یوری پیڈیز نے حیرانی سے پوچھا......

''وہ کون ہے؟''

سقراط نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا......

''ایک ہے جس کا نام یوری پیڈیز ہے۔''

''نہیں نہیں۔تم غلط کہتے ہو۔''

یوری پیڈیز نے سر ہلا کر کہا......

''میں ٹھیک کہتا ہوں، اگر تم کہو تو میں دلیل سے ثابت کر سکتا ہوں۔''

سقراط نے رک کر کہا......

''میں مجبور ہو کر مان لیتا ہوں کیونکہ اگر میں نے انکار کیا تو تم دلائل دے کر مجھے منوا لو گے۔''

سقراط نے یوری پیڈیز کی بات سن کر کہا......

''بات انکار یا اقرار کی نہیں۔ بات کی اصلیت تک پہنچنے کی ہے۔لیکن تمہیں چھوڑ کر ایتھنز کے لوگ اس راز کو جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔''

یوری پیڈیز نے ہنس کر کہا......

''تمہارا شاگرد افلاطون بھی نہیں۔''

''اس کی بات چھوڑو۔وہی تو ہے جو کنوئیں میں ڈول ڈال کر پانی کا ایک ایک قطرہ کنوئیں سے نکال رہا ہے۔''

سقراط نے پھر پروفیسر رمزے اور شیبا کی طرف دیکھا اور اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا......

''میں بھی کتنا بے وقوف ہوں، جن سے کچھ سننا ہے انہیں اپنی سنائے جا رہا ہوں...... چلو جمنیزیم میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔''

سقراط یوری پیڈیز کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف بڑھا۔ شیبا اور پروفیسر رمزے دونوں ان کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔

....

روکی بھاگتے بھاگتے درختوں سے نکل کر ایک میدان میں آ گیا جس کے تین طرف گھر بنے ہوئے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بائیں ہاتھ بنے ہوئے گھروں کی طرف بڑھا۔ پہلا گھر جو اس کے سامنے آیا اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے اندر جھانکا۔ دالان نما کمرہ خالی تھا۔ ایک طرف چبوترا بنا ہوا تھا جس پر بستر لگا ہوا تھا۔ چبوترے کے ساتھ ایک طاق میں چراغ نما مشعل جل رہی تھی۔ دیوار پر کپڑے ٹانکنے کی دو تین کھونٹیاں لگی ہوئی تھیں جن پر کچھ کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ روکی بہت تھک چکا تھا۔ جنگل میں دوڑتے دوڑتے وہ دو ایک بار درختوں سے ٹکرایا تھا اس کے ماتھے پر چوٹ آئی تھی جس پر وہاں خون کے قطرے جمے ہوئے تھے۔ کوٹ کی جیب بھی ایک درخت میں پھنس کر پھٹ گئی تھی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا چبوترے نما بستر پر آ کر بیٹھ گیا۔ ایک نظر کمرے کی دیواروں پر ڈالی اور پھر اپنے آپ سے کہا......

''سب سے پہلے مجھے لباس بدلنا چاہئے۔''

اس نے کھڑے ہو کر کھونٹی سے کپڑے اتار کر دیکھنے شروع کئے۔ کپڑوں

کو ہاتھ لگا کر اسے محسوس ہوا کہ یہ نرم اور ملائم کپڑے کسی عورت کے ہو سکتے ہیں۔ کپڑوں میں اسے ایک دو ریشم انگیہ بھی دکھائی دیں اس نے تلاش جاری رکھی۔ کونے میں رکھے ایک لکڑی کے بکس پر اس کی نظر پڑی اسے کھولا تو مختلف کپڑے رکھے ہوئے تھے ان کو کھول کر دیکھا تو اسے ایک لباس نظر آیا جس کا رنگ شوخ تھا نہ اس میں زنانہ لباس کی کوئی مشابہت تھی۔ اس نے جلدی سے کوٹ اتارا، قمیض اتاری اور بنیان پر اسے پہن لیا۔ اس لباس کے ساتھ ہی نیکر نما ایک جانگیہ تھا۔ پینٹ اتار کر انڈر ویئر پہن لیا اپنے آپ پر اس نے ایک نظر ڈالی۔ اب وہ یونانیوں جیسا ہی لگتا تھا۔

"Very good"۔

وہ بڑبڑایا اور پھر اپنے کپڑے لپیٹ کر لکڑی کے بکس میں رکھ دیئے۔ کوٹ کی جیب سے سگریٹ اور لائٹر نکال لیا۔ بکس بند کر کے وہ بستر پر دراز ہو گیا اور سگریٹ سلگائی اور سوچنے لگا کہ پروفیسر رمزے اور شیبا اس وقت کہاں ہوں گے۔ دونوں کے بارے میں سوچ کر اسے بڑی تکلیف ہوئی۔ اسے غصہ بھی آیا۔ پروفیسر رمزے پر کم لیکن شیبا نے تو حد ہی کر دی۔ پروفیسر رمزے کے ساتھ یوں چمٹ کر چل رہی تھی جیسے پروفیسر رمزے کے اندر داخل ہو رہی ہو۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سگریٹ بجھائی اور جوتوں سے مسل دی۔ جب وہ سگریٹ مسل رہا تھا تو اسے خیال آیا ان جوتوں کا کیا کروں۔ اچانک اسے کونے میں پڑے سینڈل نظر آئے جن کی تسمے نما چمڑے کی پٹیاں پنڈلیوں میں لپیٹ کر باندھی جاتی تھیں۔ اس نے اپنے

جوتے اتارے اور وہ سینڈل اٹھا کر پہنے تو وہ اسے پورے آ گئے۔ اب وہ سر سے لے کر پاؤں تک پورے کا پورا یونانی تھا...... وہ بستر پر واپس آ کر لیٹ گیا۔ اسے سخت پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ لیٹے لیٹے سامنے دیوار پر اس نے ایک مشکیزہ لٹکا دیکھا جو خالی نہیں تھا، بھرا ہوا تھا۔ وہ اٹھا اور مشکیزہ دیوار سے اتار لیا۔ چمڑے کے بنے اس مشکیزے کا منہ چمڑے کی ایک رسی سے باندھا ہوا تھا۔ روکی نے اسے کھولا اور پھر اسے انڈیل کر اپنے ہاتھ پر مشکیزہ میں بھری چیز کو انڈیلا۔ چند قطرے ہتھیلی پر آئے تو اس نے زبان سے انہیں چکھا۔ ذائقہ ترش اور شیریں تھا۔ ذائقے نے اس کی اشتہا بڑھا دی۔ اس نے بغیر سوچے سمجھے مشکیزے کو منہ سے لگایا اور آدھے سے زیادہ اپنے اندر انڈیل لیا۔ جوں ہی خالی معدے میں مشکیزے میں رکھی پرانی شراب اندر گئی روکی کی آنکھوں میں تارے سے چمکنے لگے۔ اسے چند لمحے بعد بس یہ بات یاد رہی کہ مشکیزہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا ہے۔ وہ بستر پر گر گیا اس کے بعد کیا ہوا، اسے کچھ نہیں پتہ چلا۔ وہ کتنی دیر سوتا رہا کب اس کی آنکھ کھلی۔ یہ سب باتیں اسے اس وقت پتہ چلیں جب کسی نے اس پر ٹھنڈے پانی کی بالٹی انڈیلی۔ اس پر پانی پڑا تو اس نے جھرجھری لے کر آنکھ کھولی تو اس کے سامنے ایک حبشی لڑکی بالٹی لے کر کھڑی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔

حبشی لڑکی نے اسے گھور کر دیکھا۔ بالٹی میں بچا پانی روکی کے منہ پر پھینک دیا۔ بالٹی نیچے رکھی اور دونوں کولہوں پر ہاتھ رکھ کر بولی......

''کون ہوتم ....اور کہاں کے رہنے والے ہو۔''

روکی نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ اگر اسے اصلیت بتلائی تو شاید یقین نہ کرے اس نے فوراً فیصلہ کیا اور اپنے منہ سے پانی صاف کر کے بولا......

''میں ساتھ والے شہر کا رہنے والا ہوں۔''

''آخر کوئی نام تو ہوگا اس شہر کا؟''

یہ کہہ کر حبشی لڑکی لکڑی کے بکس کے پاس گئی اور روکی کے کپڑے نکال کر اس کے سامنے پھینکے اور کہا......

''یہ کپڑے میں نے پہلی بار دیکھے ہیں۔ اردگرد کی ریاستوں میں کسی میں یہ کپڑے نہیں پہنے جاتے......کون ہوتم؟''

روکی نے ایک لمبی سانس لی اور کہا......

''دراصل ہم تمہارے عہد کے آدمی نہیں ہیں۔''

''ہم سے تمہارا کیا مطلب ہے؟'' لڑکی نے چبوترے نما بستر کے کونے میں بیٹھ کر کہا......

''تمہارے علاوہ کوئی اور بھی ہے کیا؟''

''ہاں۔ایک لڑکی اور ایک مرد۔'' روکی نے دوانگلیاں باری باری اٹھا کر کہا۔

لڑکی نے روکی کی آنکھوں میں گھور کر دیکھا اور پوچھا......

''وہ دونوں کہاں ہیں؟''

''مجھے نہیں پتہ۔ میں ان سے بچھڑ گیا ہوں۔ میں نے بھاگ کر تمہارے

گھر میں پناہ لی ہے۔"

لڑکی نے روکی کی طرف آنکھیں جھپکا کر دیکھا۔ اس نے سوچا یہ جھوٹ نہیں کہہ رہا پھر کچھ سوچ کر بولی ......

"اگر تم ہمارے عہد کے آدمی نہیں ہو، تو پھر یہاں کیا لینے آئے ہو؟"

"ہم خود سے نہیں آئے۔ ایک سرنگ نے ہمیں یہاں پہنچا دیا ہے۔ ہماری اور تمہاری دنیا میں 2500 سال کا فرق ہے۔"

روکی کی بات سن کر لڑکی حیران رہ گئی اور بولی ......

"اس کا مطلب کیا ہے، میں سمجھی نہیں۔"

"تم جس زمانے میں ہو، ہم اس سے 25 سو سال آگے نکل چکے ہیں۔ تمہارا عہد ہماری تاریخ میں ختم ہو چکا ہے تم سب ہماری نظر میں گزرا زمانہ ہو۔ اور ہم عہد حاضر میں لیکن سرنگ کے اس پار۔"

لڑکی روکی کی یہ بات سن کر حیران رہ گئی اور کھڑی ہو کر کہنے لگی۔

"تمہارا معدہ زیادہ شراب کی وجہ سے پاگل ہو گیا ہے۔ تم پورے آدھے دن کے بعد جاگے ہو۔ میں تمہارے لئے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔"

لڑکی یہ کہہ کر اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ روکی نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر انگڑائی لی اور پھر دونوں ہاتھ نیچے کی طرف چھوڑ دیئے۔ اسے لڑکی سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس نے جان لیا کہ یہ لڑکی اس کی ضرور مدد کرے گی ...... تھوڑی دیر بعد لڑکی ایک پلیٹ میں کچھ بھنا ہوا گوشت اور چاول ڈال کر لے آئی۔ روکی کے

سامنے پلیٹ رکھی اور روکی کے سامنے بیٹھ گئی۔

''میں یونانی نہیں مصری نسل سے ہوں۔ یہ ساری کی ساری آبادی غیر ملکی باشندوں کی ہے۔ اٹلی، سسلی، کاری گر مصری مزدور اور ساز بجانے والے اس علاقے میں آباد ہیں۔''

روکی نے چاولوں کا ایک قلمہ منہ میں ڈالا اور نگل کر لڑکی سے پوچھا......

''تم کیا کام کرتی ہو؟''

''میں شادی، بیاہ، خوشی اور غم کے موقعہ پر گٹار بجاتی ہوں۔''

لڑکی نے جواب دیا۔

''بس''۔ روکی نے پوچھا۔

لڑکی مسکرائی اور آنکھ گھما کر بولی......

''اور کیا کرنا چاہیئے مجھے؟''

روکی کو اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا تو بات کو گھما پھرا کر بولا...... ''نہیں میرا مطلب کچھ اور نہیں تھا۔ میں دراصل پوچھنا چاہتا تھا کہ گٹار بجا کر گھر کا خرچہ چل جاتا ہے؟''

''ہاں یہ تم نے ٹھیک بات پوچھی۔ نہیں چلتا خرچہ۔'' لڑکی نے مزید کہا۔

''خرچہ چلانے کے لئے میں کچھ اور کرتی ہوں۔''

''کیا کرتی ہو؟''

''ایتھنز میں کچھ لوگ بوڑھے سقراط کی باتوں سے بہت تنگ ہیں۔ وہ

لوگوں کو اکٹھا کر کے سچی باتیں کرتا ہے۔ جو لوگوں کے سمجھ آنے لگی ہوں، اس کے مخالف مجھے اس کی محفل اجاڑنے کے کافی پیسے دے دیتے ہیں۔"

لڑکی نے ہاتھوں کے اشارے سے پیسوں کی مقدار بتلائی۔

"کیسے اجاڑتی ہو تم اس کی محفل؟"

روکی نے پوچھا۔

لڑکی اچانک کھڑی ہو گئی اور لہجہ بدل کر بولی ......

"تم بڑے فضول آدمی ہو۔ نہ اپنا نام بتلایا۔ نہ میرا پوچھا اور اتنی باتیں کئے چلے جا رہے ہو۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"میرا نام روکی ہے۔" روکی نے فوراً جواب دیا۔

"میرا نام ٹکوری ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"ٹکوری کا مطلب چمکنے والی چیز ہے۔ میں کالی ضرور ہوں لیکن چمکتی ہوں۔"

ٹکوری نے روکی کو کچھ ایسے دیکھا کہ ایک چمک سی روکی کی آنکھوں میں اتر گئی۔ چند لمحوں کے لئے وہ شیبا کو بھول گیا۔ ابھی وہ ٹکوری کو پوری طرح دیکھ نہیں پایا تھا کہ ٹکوری نے اس سے پوچھا ......

"تم میرے گھر میں چوروں کی طرح چلے آئے ہو۔ جانتے ہو ایتھنز میں اس کی سزا کیا ہے؟"

"نہیں۔" روکی سزا کا نام سن کر ڈر گیا اور پھر کہا ......

''میں مجبور تھا۔''

''تم نے ایک کنواری لڑکی کے گھر میں گھس کر بہت بڑا جرم کیا ہے تمہاری دنیا میں پتہ نہیں اس کی کیا سزا ہو، ہمارا قانون ایسے آدمی کو موت کی سزا دیتا ہے۔ میں اگر شور مچا کر لوگوں کو اکٹھا کرلوں تو تم سزا سے نہیں بچ سکتے۔''

ٹکوری ایک سانس میں یہ سب کچھ کہہ چکی تو روکی بستر سے کھڑا ہو گیا اور ہاتھ جوڑ کر ٹکوری سے کہا......

''ایسا نہ کرنا۔ مجھے کچھ لوگ پکڑنا چاہتے تھے میں بھاگ کر یہاں آ گیا۔ میں نے صرف تمہارے بکس سے یہ لباس لیا ہے۔ اس کے علاوہ میرا کوئی قصور نہیں۔ اس جرم میں تم جو چاہو مجھے سزا دے سکتی ہو۔''

ٹکوری کو روکی کی بے بسی پر رحم آ گیا۔ اس نے اسے گھور کر غور سے دیکھا اور پھر سر ہلا کر بولی......

''تمہاری سزا ہے، اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو۔''

''مجھے تمہاری ہر سزا قبول ہے، کہو کیا ہے وہ سزا؟''

روکی نے بے چین ہو کر پوچھا۔

''مجھے ایک یونانی نے مصر کے بازار سے صرف روٹی، کپڑے کے عوض خریدا تھا۔ میں اس کے پاس دو سال رہی۔ اس کے لئے ایک بچہ جنا۔ میں نے اس سے بچہ لینا چاہا لیکن اس نے مجھے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا اور آزادی دے دی۔''

یہ کہہ کر ٹکوری اداس ہو گئی۔

''میں کہنے کو آزاد ہوں لیکن میری روح میرا بچہ وہاں ہے۔''

''میں کیا کر سکتا ہوں تمہارے لئے؟''

''مجھے ایک بچہ چاہئے جسے میں اپنا کہہ سکوں۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' روکی نے حیران ہو کر پوچھا۔

''تم روٹی، کپڑے کے عوض میرے ساتھ رہو گے۔ ایتھنز میں صرف شادی شدہ لوگ اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ تم گھر سے باہر نہیں نکلو گے۔ میں کماؤں گی۔ تم کھاؤ گے۔ جب میں ماں بن جاؤں تو تم چلے جانا۔''

روکی نے کہا......

''لیکن میں اتنا عرصہ گھر میں قید کیسے رہ سکتا ہوں؟''

ٹکوری نے ہاتھ ہلا کر اس کی بات کی تردید کی۔

''تم ایتھنز میں گھومو پھرو، لیکن اکیلے، میرے ساتھ نہیں۔''

ٹکوری مسکرائی۔

''تمہارا میرا ساتھ صرف اس گھر اور گھر کے اس کمرے میں رہے گا۔''

روکی یہ بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے چند لمحے اسی سوچ بچار میں صرف کئے پھر گردن اٹھا کر ٹکوری کو دیکھا اور کہا......

''مجھے منظور ہے۔''

....

جمنازیم کی سب سے اونچی پہلی سیڑھی پر سقراط بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ یوری پیڈیز۔ ایک سیڑھی چھوڑ کر نیچے پروفیسر رمزے اور شیبا ...... سقراط نے بڑا اصرار کیا کہ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ لیکن پروفیسر نے یہی جواب دیا کہ ہم اس اہل نہیں کہ آپ کے برابر بیٹھ سکیں۔ ہماری جگہ آپ کے پیروں میں ہے۔ سقراط نے یہ بات سن کر ایک قہقہہ لگایا اور کہا......

''تم بڑے سمجھدار ہو۔ پیر بدن کا اہم حصہ ہیں۔ یہ نہ ہوں تو آدمی ایک ہی جگہ پڑا پڑا سڑ جائے۔ جسم کو متحرک رکھنے کا عمل پیروں سے جڑا ہوا ہے۔''

پھر اچانک پروفیسر سے مخاطب ہو کر یوری پیڈیز بولا ......

''یہ لڑکی کون ہے؟''

''میری شاگرد ہے۔ میں اسے کالج میں ادب پڑھاتا ہوں۔''

پروفیسر رمزے نے جواب دیا۔

سقراط نے کہا......

''ایتھنز میں شاگردوں کو ساتھ لے کر گھومنا، پڑھانا، نئی فکر سے آراستہ کرنا

بہت بڑا جرم ہے۔"

سقراط نے شیبا کی طرف اشارہ کر کے کہا......

"اور تم اس خوبصورت لڑکی کے ساتھ گھوم رہے ہو؟"

شیبا نے سقراط کے منہ سے اپنی تعریف سنی تو پانی پانی ہوگئی۔

"تمہاری باتوں پر میرے سوا پورے ایتھنز میں کوئی یقین نہیں کرے گا۔ تم انہیں آنے والے کل کی باتیں بتلا رہے ہو۔ انہیں آج پر بھی شک ہے۔ یہ سب لوگ گزری کل کے دلدادہ ہیں۔"

دور سے آتے ہوئے ایک سائے نے سقراط کی آواز سن کر اونچی آواز میں کہا...... "لیکن میں نہیں۔ مجھے وہ ساری باتیں قبول ہیں جو تمہارے منہ سے سنتا ہوں۔ چاہے وہ مستقبل کی ہوں یا گزری کل کی۔"

یہ آواز سنکر پروفیسر رمزے اور شیبا نے ادھر دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی۔ سایہ اب قریب آ گیا تھا۔

"یہ میرا دل، میری آنکھیں اور میرا ہمزاد، میرا شاگرد افلاطون ہے۔"

سقراط نے کہا۔ افلاطون اب ان کے سامنے آ چکا تھا۔ خوبصورت، چوڑے چکلے شانوں والا افلاطون۔ روشن روشن آنکھوں والا افلاطون، جب سقراط کی بات سن کر مسکرایا تو چاروں طرف روشنی سی پھیل گئی۔ افلاطون سقراط کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے پروفیسر رمزے اور شیبا کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور سقراط کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر کہا......

''یہ وقت تو تم نے گھر گزارنا تھا۔ اس وقت تو تم سوتے ہو؟''

سقراط نے افلاطون کی بات سن کر کہا......

''میں تو سو گیا تھا۔ انہوں نے آ کر جگا دیا۔''

سقراط نے پروفیسر رمزے اور شیبا کی طرف اشارہ کیا۔ افلاطون نے رمزے اور شیبا کو نظر اٹھا کر دیکھا اور پھر سقراط سے پوچھا......

''یہ لوگ کون ہیں۔ چہرے مہرے اور بالوں کی تراش خراش سے یہ اس علاقے کے نہیں لگتے۔''

''ہاں تم نے ٹھیک سمجھا۔ یہ اس علاقے کے نہیں۔''

''تو پھر کہاں کے ہیں؟'' افلاطون نے پوچھا۔

''ان کا کہنا ہے کہ یہ ہم سے 2500 سال بعد کے زمانے کے لوگ ہیں۔ انہیں وہ چیزیں جاننے کا دعویٰ ہے جو ابھی ہم نے لکھی نہیں اور یہ انہیں پڑھ چکے ہیں۔

افلاطون حیران ہو کر بولا......

''مثلاً؟''

پروفیسر رمزے جو ابھی تک خاموش تھا اور تینوں مشاہیر کو حیرت سے دیکھ رہا تھا، افلاطون نے جب مثلاً کہا تو وہ فوراً بولا......

''مثلاً میں نے آپ کی ریاست (Republic) پڑھی ہے۔''

''کونسی Republic؟''

افلاطون بولا۔

''میں نے تو ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی۔''

پروفیسر رمزے شیبا کے ہاتھ دبانے کے باوجود باز نہ آیا اور بولا......

''لکھی ہے...... جب آپ کے استاد نے زہر پیا تو آپ ایتھنز سے بھاگ کر سسلی اور اٹلی اور پھر ہندوستان چلے گئے وہاں پنڈتوں اور گیانیوں سے بحث مباحثہ کیا اور پھر واپس آ کر کچھ مقالے لکھے۔ یہ مقالے پوری دنیا میں Republic کے نام سے مشہور ہیں۔''

رمزے کچھ اور کہنا چاہتا تھا مگر افلاطون نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا اور کہا......

''بس بس بس۔ ہمیں بے وقوف بنانے کے لئے اتنا ہی کافی ہے......تم نے میرے استاد کے مرنے کی پیشگوئی کر دی۔ مجھے ایتھنز سے فرار کرا دیا۔ تمہاری مہربانی تم یہ بتاؤ ایتھنز کیا لینے آئے ہو؟''

یوری پیڈیز جو بہت دیر سے خاموش بیٹھا تھا بولا......

''تمہیں مجھے اور سقراط کو پریشان کرنے۔''

یوری پیڈیز اور افلاطون نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ شیبا نے غصے سے پروفیسر رمزے کو گھور کے دیکھا اور پھر اپنا منہ اس کے کان کے اتنا قریب لے گئی کہ شیبا کے گرم ہونٹ رمزے کے کان سے چھو گئے اور بولی......

''سر۔ آپ کو ابھی تک بات سمجھ نہیں آئی۔ ان سے اپنے زمانے کی باتیں

مت کیجئے۔ یہ آپ کو بے وقوف سمجھتے ہیں۔ ان کی سنئے۔ اپنی طرف سے ایسی بات نہ کہیں جو انہیں قابل قبول نہ ہو۔"

شیبا یہ کہہ کر ایک طرف ہوئی تو سقراط مسکرا کر پروفیسر رمزے سے بولا......

"کبھی کبھی عورت ذات مرد کو سیدھا راستہ دکھا ہی دیتی ہے۔ مان لو اس کی بات......ادھر دیکھو۔"

سقراط نے یوری پیڈیز کی طرف اشارہ کر کے کہا......

"اس نے اپنی دو بیویوں کی بات نہیں مانی۔ سارے ایتھنز میں یہ "برا شوہر" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔"

یوری پیڈیز اچھل کر بولا......

"تو پھر تم کیوں نہیں مانتے اپنی بیوی کی بات؟"

"میں تو مانتا ہوں۔ وہ کہتی ہے میں بے وقوف ہوں، پاگل ہوں، نکھٹو ہوں، مجھے کچھ نہیں آتا۔ میں سر جھکا کر ہاں ہاں کرتا رہتا ہوں۔ وہ کہتی ہے گھر سے نکل جاؤ میں باہر چلا جاتا ہوں۔ رات کو وہ دروازہ نہیں کھولتی۔ میں چبوترے پر سو جاتا ہوں۔"

سقراط اپنی بیوی کی صفات گنوا چکا تو افلاطون نے پروفیسر رمزے سے ہنس کر پوچھا......

"کچھ اور بتاؤ۔ میں کب مروں گا۔ یوری پیڈیز کا انجام کیا ہوگا؟"

شیبا کے سمجھانے کے باوجود پروفیسر رمزے اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکا

اور شیبا کا ہاتھ جھٹک کر بولا......

''آپ 84 سال کی عمر میں اپنے ایک شاگرد کی شادی میں کرسی پر مریں گے اور یوری پیڈیز کے سر پر چیل کے منہ سے ایک وزنی کچھوا گرے گا اور ان کا دم نکل جائے گا۔''

یہ بات سنکر افلاطون نے زوردار قہقہہ لگایا اور یوری پیڈیز کو کاندھے سے ہلا کر بولا......

''واہ واہ کیا پیش گوئی کی ہے 6 فٹ 4 انچ کا آدمی کچھوے کے بوجھ سے مرے گا۔''

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔''

پروفیسر رمزے نے کہا۔

''یہ بالکل غلط کہہ رہے ہیں۔'' شیبا نے غصے میں پروفیسر رمزے کے کاندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

''صبح سے رات ہوگئی ہے۔ انہوں نے نہ کچھ کھایا ہے نہ پیا ہے۔''

''اس لئے یہ الٹی سیدھی ہانک رہے ہیں۔'' افلاطون اٹھا اور کہا۔

''میں مہمانوں کیلئے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لینے جا رہا ہوں ورنہ یہ باری باری پورے ایتھنز کی موت کی پیش گوئی کر دیں گے۔''

افلاطون کے جانے کے بعد سقراط نے پروفیسر رمزے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا......

''تمہاری باتوں کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ پروفیسر...... کیا نام بتلایا ہے تم نے؟''

''رمزے۔''

''رمزے۔ کیا مطلب ہے اس کا؟''

''مطلب۔ مطلب''

رمزے سقراط کے اس سوال پر الجھن میں پڑ گیا اور پھر کہنے لگا......

''مطلب تو پتہ نہیں مجھے۔''

''جس کا مطلب ہی نہیں پتہ۔ تم نے وہ نام رکھ لیا۔ عجیب آدمی ہو۔''

سقراط نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگایا۔

''ہم سب کے کل کے بارے میں پتہ ہے تمہیں۔ اپنے بارے میں لاعلم ہو۔ پہلے اپنے آپ کو جانو پروفیسر پھر دوسروں کی پرتیں کھولو۔''

شیبا نے سقراط کی تائید کی اور کہا......

''میں اسی لئے ان سے کہتی ہوں کہ کم بولیں۔''

''تم مجھے اس سے زیادہ سمجھدار معلوم ہوتی ہو۔ یہ ضرور کبھی اپنے کہے پر مصیبت میں گرفتار ہوگا۔ تمہاری دانش مندی بچائے گی اسے۔''

سقراط نے بات ختم کی تو اسے دور سے افلاطون آتا دکھائی دیا جس کے ہاتھوں میں ایک تھیلا سا پکڑا ہوا تھا۔ افلاطون قریب آ گیا تو بولا......

''جلدی میں کچھ زیادہ نہیں ملا۔ جو گھر میں بچا تھا اٹھا لایا ہوں۔''

پروفیسر رمزے نے جھٹ سے جواب دیا۔

''ہم آپ ہی کا بچا کھچا کھا کر تو زندہ ہیں۔''

سقراط نے ہنس کر کہا...... ''تم پھر بولے پروفیسر۔''

''اس بار یہ ٹھیک بولے ہیں۔ سر'' شیبا نے کہا۔

افلاطون نے تھیلے سے کھانے کی چیزیں نکال کر پروفیسر رمزے اور شیبا کے سامنے رکھیں اور کہا......

''سقراط کہا کرتے ہیں کہ کچھ لوگ کھانے کے لئے زندہ ہیں اور کچھ لوگ زندہ رہنے کے لئے کھاتے ہیں۔''

سقراط نے کہا......

''مجھے پروفیسر دوسری قسم کا آدمی لگتا ہے۔اس کے لئے یہ خوراک کافی ہوگی۔''

پروفیسر رمزے اور شیبا نے صبح سے کچھ نہ کھایا تھا جو بھی تھیلے سے نکلا دونوں اس پر جھپٹ پڑے۔ان کے ہاتھ اور منہ چل رہے تھے مگر ان کے کان تینوں مہمان لکھاریوں کی طرف متوجہ تھے۔

''سولون بڑا ظالم آدمی ہے۔''

یوری پیڈیز نے کہا۔سقراط نے اس کی بات کاٹی اور کہا......

''ظالم نہیں جاہل ہے۔''

''میرے ڈرامے پر لکھیر پھیر دی۔''

یوری پیڈیز نے کہا......

''اور اوپر لکھ دیا ہے کہ ایتھنز کی ریاست میں یہ ڈرامہ نہیں ہو سکتا۔مگر میں

اسے اسٹیج ضرور کروں گا۔''

''کہاں کرو گے؟'' سقراط نے پوچھا۔

''جہاں ایتھنز اور ایشیائے کوچک کی سرحدیں ملتی ہیں۔''

''اتنی دور کون جائے گا ڈرامہ دیکھنے؟'' افلاطون بولا۔

''وہی جائے گا جسے سچ سننے اور کہنے کی عادت ہے۔''

سقراط نے انگڑائی لے کر کہا......

''نیند آ گئی تمہیں؟''

یوری پیڈیز نے خود آنکھیں مل کر کہا......

''نہیں نیند نہیں آئی۔ ابھی تو میں جاگا ہوں۔''

سقراط نے دور صبح کاذب کی سرخی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

یوری پیڈیز نے سقراط کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ پروفیسر رمزے اور شیبا کی طرف اشارہ کر کے کہا......

''ان دونوں کو کہاں رکھیں؟''

''قیمتی چیزیں ہیں، سنبھال کر رکھنا چاہئے۔'' سقراط نے ہنس کر کہا......

''اس کے لئے نہ تمہارا گھر مناسب ہے اور نہ میرا۔''

یوری پیڈیز نے کہا......

''تمہارے گھر میں تو تمہیں رہنے کی جگہ مشکل سے ملتی ہے، تمہاری بیوی انہیں کہاں برداشت کرے گی...... اور میرا گھر...... اگر میں انہیں لے گیا تو لوگ کہیں

گے یوری پیڈیز نے تیسری شادی کر لی اور میرا بیٹا ان دونوں کو قتل کر دے گا۔"

پروفیسر رمزے نے کتابوں میں پڑھا تھا کہ یوری پیڈیز کے بیٹے نے اس پر مقدمہ کیا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا، شیبا نے بھانپ لیا۔ فوراً اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"سر۔ آپ باز نہیں آئیں گے، خاموش رہیں۔"

پروفیسر رمزے سمٹ کر بیٹھ گیا۔

"آخر ہمارے گھروں سے یہ عذاب کب ختم ہو گا؟"

یوری پیڈیز نے سقراط سے ہنس کر پوچھا۔

"کمزوری سے طاقت، سست روی سے تیزی اور تخریب سے تعمیر جنم لیتی ہے۔"

سقراط نے پھر رمزے اور شیبا کی طرف اشارہ کر کے کہا......

"جس طرح یہ دونوں اچانک آ گئے ہیں، عذاب میں سکون کا لمحہ بھی آ جائے گا۔"

ان مہمانوں کو میں اپنے اس گھر میں ٹھہراؤں گا جو درختوں کے جھنڈ میں شہر سے ذرا فاصلے پر بنا ہوا ہے جہاں کبھی بیٹھ کر میں ڈرامے لکھا کرتا تھا۔"

یوری پیڈیز کھڑا ہو گیا اور بات آگے بڑھائی۔

"میں دن نکلنے سے پہلے انہیں وہاں چھوڑ کر آؤں۔ یہ کچھ آرام کر لیں۔ آج شام انہیں ایک دعوت میں لے کر چلنا ہے جہاں تم بھی چلو گے۔"

"ٹھیک ہے۔"

سقراط نے پھر رمزے اور شیبا کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اس کے ساتھ چلے جاؤ۔ مگر اب کوئی ایسی بات نہ کرنا جس پر یقین نہ کیا جا سکے...... میں جانتا ہوں کہ تمہارے جھوٹ میں بھی سچ دیکھا جا سکتا ہے مگر میرے علاوہ سب لوگ تمہارے سچ کو جھوٹا تصور کریں گے۔''

پروفیسر رمزے اور شیبا دونوں اٹھے اور یوری پیڈیز کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ افلاطون جو بڑی دیر سے چپ کھڑا تھا بولا......

''یوری پیڈیز انہیں ذرا دھیان سے لے جانا، ورنہ ایتھنز کے لوگ ان کے بھی اتنا ہی خلاف ہو جائیں گے جتنا تمہارے خاص طور پر ارسٹوفنیز......''

یوری پیڈیز نے مسکرا کر کہا......

''کوئی بات نہیں۔ اپنا عہد چھوڑ کر انہیں ماضی میں آنے کی کچھ نہ کچھ تو سزا ملنا چاہئے۔''

یوری پیڈیز سیڑھیاں اتر کر جمنازیم کے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

رمزے اور شیبا دونوں اس کے پیچھے ہو لئے۔

''یہ ہمارے کل کی بات کرتے ہیں جو ان کی نظر میں ماضی بن چکا ہے۔''

سقراط نے جمنازیم کی سیڑھی پر نیم دراز ہو کر کہا۔

''مجھے اس میں کہیں کہیں سچ نظر آتا ہے۔''

''تو کیا تمہارے اور یوری پیڈیز کا وہی انجام ہو گا جو یہ کہتے ہیں؟''

افلاطون نے انگڑائی لے کر سستی اتاری اور کہا......

''شاید۔''

سقراط نے مختصر جواب دیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ افلاطون نے سقراط کے چہرے پر تھکن دیکھ لی اور پھر اس کے ہاتھ سقراط کی ٹانگوں کی طرف بڑھے اور اس نے دبانا شروع کر دیا۔ سقراط کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تیرنے لگی۔

....

جمنازیم سے نکل کر یوری پیڈیز تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف بڑھا جو جمنازیم سے زیادہ دور نہیں تھا لیکن وہاں پہنچتے پہنچتے اچھا خاصا وقت لگ گیا۔ اونچے نیچے راستوں کو طے کرتے ہوئے جب وہ ان درختوں کے قریب پہنچ گئے تو یوری پیڈیز نے پروفیسر رمزے سے کہا......

''یہ گھر جو میں تمہیں دکھا رہا ہوں، میرا مطالعہ گھر ہے۔ جب مجھے کچھ لکھنا ہوتا ہے تو میں شہر سے نکل کر یہاں آ کر چھپ جاتا ہوں۔ میں نے اکثر ڈرامے اسی گھر میں بیٹھ کر لکھے ہیں۔''

پروفیسر رمزے شیبا کے بار بار ٹوکنے پر خاموش سا ہو گیا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ کوئی بات کرے مگر وہ خاموش رہا۔ ویسے بھی ساری رات جاگ جاگ کر اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔

یوری پیڈیز نے ایک درخت کے تنے میں ہاتھ ڈال کر تالے کی لمبی سی چابی نکالی اور پھر تالا کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ رمزے اور شیبا بھی اس کے پیچھے اندر چلے گئے۔ کمرے میں چاروں طرف سامان بکھرا ہوا تھا۔ برتن، کپڑے، لکڑی

کے صندوق، کاغذ نما چمڑے کے بڑے بڑے ٹکڑے جن پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ کمرے میں صرف ایک پلنگ تھا، جس پر دو تکیے رکھے ہوئے تھے۔ یوری پیڈیز نے صحن میں کھلنے والی کھڑکی کھولی۔ کھڑکی سے ہوا اندر آئی تو سیدھی آ کر رمزے اور شیبا کے چہرں سے ٹکرا گئی۔ شیبا نے بالوں کی اڑتی ہوئی لٹ کو چہرے سے ہٹایا۔ یوری پیڈیز نے پروفیسر رمزے کو مخاطب کر کے کہا......

''کیا نام بتایا تھا تم نے؟''

''رمزے۔'' پروفیسر نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

''ہاں رمزے۔ تم لوگ یہاں آرام کرو۔ میرا آدمی کھانے پینے کا سامان لے کر آئے گا۔ تم فارغ ہو کر اس کے ساتھ چلے آنا۔''

یوری پیڈیز نے یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ باہر نکل کر دروازہ بند کر کے چلا گیا۔

شیبا نے چاروں طرف نظر دوڑا کر کمرے کا جائزہ لیا اور پھر سیدھی جا کر بستر پر دراز ہو گئی۔ لیٹے لیٹے جب اس کی نظر اپنی عریاں ٹانگوں پر پڑی تو اس نے بستر پر رکھا ہوا ایک چادر نما کپڑا کھینچ کر اپنی ٹانگوں پر گھسیٹ لیا۔ پروفیسر رمزے پلنگ کے سرہانے آ کر رک گیا اور بولا......

''ہم جہاں ہیں مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ہم وہاں ہیں۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ مجھے یہ سب کچھ ایک خواب سا لگ رہا ہے افلاطون، سقراط، یوری پیڈیز اور ان سے باتیں کرتے ہوئے میں اور آپ۔''

شیبا نے یہ کہہ کر اپنا ہاتھ رمزے کی طرف بڑھایا اور کہا......

''ذرا میری کلائی پر چٹکی کاٹیئے۔''

''کیوں؟'' پروفیسر رمزے چونک کر بولا۔

''میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہی۔''

شیبا نے اپنا بازو ہلا کر کہا......

''کاٹیئے چٹکی۔''

پروفیسر رمزے نے شیبا کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا اور پھر اس کی کلائی پر زور سے چٹکی کاٹ لی۔

شیبا نے زور سے سی کی اور اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

''نہیں یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔''

پروفیسر رمزے پلنگ کے کونے میں سمٹ کر بیٹھ گیا۔ شیبا اچانک نیند میں ڈوب گئی اور اس کے خراٹے کمرے میں گونجنے لگے۔ پروفیسر رمزے کو بھی نیند کا ایک جھٹکا سا لگا وہ جہاں بیٹھا تھا اسی جگہ پلنگ پر دراز ہو گیا۔ شیبا کے پیروں اور اس کے چہرے کے درمیان تقریباً ایک فٹ کا فاصلہ ہو گا۔ پھر دونوں کو خبر نہ ہوئی کہ وہ کہاں ہیں۔ غروب سورج کے وقت جب یوری پیڈیز کے آدمی نے آ کر رمزے کو پکارا تو ان کی آنکھ کھل گئی۔

19، بیس سالہ ایک نوجوان دو ٹوکریاں لے کر کمرے میں کھڑا تھا۔

''تمہارا نام رمزے ہے؟''

''ہاں۔'' پروفیسر نے بستر سے اٹھ کر آنکھیں ملتے ہوئے جواب دیا۔

شیبا بھی ٹانگیں سمیٹ کر اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''میں یوری پیڈیز کا ملازم ہوں۔ کھانا لایا ہوں تم لوگوں کے لئے۔''

لڑکے نے دونوں ٹوکریاں فرش پر رکھ دیں۔

''میں کچھ دیر بعد دوبارہ آؤں گا۔ تیار رہنا، تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔''

لڑکے نے یہ بات تیزی سے کہی اور پھر جس دروازے سے اندر آیا تھا باہر چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد شیبا بستر سے اٹھی۔ ٹوکریوں کو ایک نظر دیکھا اور پھر چیزیں نکال نکال کر پروفیسر رمزے کے سامنے سجانے لگی ...... ایک برتن میں ابلے ہوئے چاول تھے۔ دوسرے میں بھنا ہوا گوشت۔ زیتون، پھل۔ ڈبل روٹی نما لمبی سی روٹی اور دو بوتل نما چمڑے کے مشکیزے۔ جن کے منہ چمڑے کی لمبی رسی سے بندھے ہوئے تھے۔ جب مشکیزے شیبا نے پروفیسر کے سامنے رکھے تو پیاس کی شدت اس کے خشک ہونٹوں پر ہاتھ پھیلانے لگی۔ اس نے ایک مشکیزہ اٹھایا۔ رسی کھول کر منہ سے لگالیا اور غٹا غٹ جو مشکیزے میں تھا، اندر انڈیل لیا۔ جب مشکیزہ منہ سے ہٹایا تو اسے احساس ہوا کہ یہ شراب تھی۔

''اف مائی گاڈ۔''

پروفیسر رمزے نے کہا۔

''کیا ہوا؟'' شیبا نے پلنگ کے کونے پر بیٹھ کر پوچھا۔

''یہ تو شراب تھی۔''

پروفیسر رمزے نے مشکیزے کا منہ بند کر کے کہا۔

پھر اس نے مشکیزہ ایک طرف رکھ دیا اور اپنے ہونٹوں پر ہاتھ پھیر کر شیبا کی طرف دیکھنے لگا۔

شیبا نے پروفیسر رمزے کے چہرے پر ندامت اور پریشانی دیکھ کر کہا......

''اگر یہ شراب تھی تو آپ اتنے پریشان کیوں ہو گئے ہیں؟''

''میں نے پی لی ہے نا۔''

پروفیسر رمزے بچوں کی سی معصومیت کے ساتھ بولا۔

شیبا نے مسکرا کر جواب دیا......

''تو پھر اب کیا ہو سکتا ہے؟''

''بہت کچھ ہو سکتا ہے۔'' پروفیسر رمزے کو تیز شراب نے اپنا تعارف کرانا شروع کر دیا تھا۔ اس نے ہاتھ لہرا کر کہا......

''بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ یہ الٹا سیدھا پانی بہت گڑ بڑ کر سکتا ہے۔''

''مثلاً۔ کیا گڑ بڑ کر سکتا ہے؟''

شیبا نے پروفیسر رمزے کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا جن کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا تھا۔

''مثلاً......مثلاً۔''

پروفیسر رمزے کی زبان لڑکھڑائی۔

''مثلاً میں سو سکتا ہوں۔ گر سکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ اگر آپ سو گئے تو میں آپ کو پلنگ پر لٹا دوں گی۔ اگر آپ گر گئے تو میں اٹھا لوں گی۔''

''تو پھر میں گر رہا ہوں۔''

اور یہ کہہ کر واقعی فرش پر گر گیا۔ شیبا فوراً اٹھی اور پروفیسر رمزے کو سنبھالا اور کھینچ کر بستر پر لٹا دیا۔ چند لمحوں بعد رمزے خراٹے لینے لگا۔ شیبا نے وہ تمام چیزیں جو ٹوکری سے نکال کر بستر پر رکھی تھیں اٹھا کر دوبارہ ٹوکریوں میں رکھیں روسٹ گوشت کے چند ٹکڑے اور چاول کھائے۔ پیاس محسوس ہوئی تو ہاتھ بڑھا کر مشکیزہ اٹھایا پھر مسکرا کر اسے رکھ دیا اور جا کر پلنگ کے ایک کونے میں سمٹ کر لیٹ گئی۔ پروفیسر رمزے اس سے تھوڑے فاصلے پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ شیبا کے پیروں سے تقریباً ایک فٹ کے فاصلے پر تھا۔ شیبا نے اپنے پاؤں سمیٹ لئے اور آنکھیں بند کر لیں۔ اچانک اپنے پیروں پر اسے کوئی چیز رینگتی محسوس ہوئی اس نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

پروفیسر رمزے کا ہاتھ اس کے پیروں پر رکھا تھا۔ اس نے اٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے پیروں سے ہٹانا چاہا لیکن پھر کچھ سوچ کر ایسا نہ کیا اور دوبارہ پہلی پوزیشن میں لیٹ گئی۔ آنکھیں بند کر لیں اور ایک انجانی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر ناچنے لگی۔

....

یوری پیڈیز کا ملازم جب پروفیسر رمزے اور شیبا کے پاس پہنچا تو آدھی رات گزر چکی تھی۔ شیبا صحن میں رکھے بڑے بڑے مٹکوں سے پانی نکال کر پروفیسر رمزے کے منہ پر چھینٹے مار کر اس کا نشہ تقریباً اتار چکی تھی۔ مگر پروفیسر رمزے میں ابھی خمار جڑیں گاڑھے ہوئے تھا۔

''یہ آپ نے اچھا نہیں کیا، سر۔''

شیبا نے پروفیسر رمزے کے ماتھے سے پانی صاف کرتے ہوئے کہا......

''یہ سب کچھ میں نے کہاں کیا۔ یہ تو سب مشکیزے کا کیا دھرا ہے۔''

پروفیسر نے مشکیزے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''ان مشکیزوں میں جو شراب ہے یہ صرف ایتھنز کے چند لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔''

یوری پیڈیز کے ملازم نے کہا......

''میرے آقا کا حکم تھا اس لئے میں لے آیا۔''

''تمہارے آقا کا شکریہ۔''

پروفیسر رمزے نے کہا۔

''اب وہ کہاں ہیں؟''

''آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔ سب لوگ سقراط کی خوبصورت باتوں کا لطف اٹھا رہے ہیں۔''

ملازم نے کھانے کا سامان سنبھال کے ایک طرف رکھا اور کہا......

''سقراط کے ایک شاگرد نے آج رات جلسے کا اہتمام کیا ہے، جلدی چلو۔''

سقراط کے شاگرد کا گھر ایتھنز کی شہری آبادی سے دور ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں تھا۔ تینوں جب وہاں پہنچے تو سقراط پندرہ بیس آدمیوں کے حلقے میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ پروفیسر رمزے اور شیبا بالکل اس کے سامنے جا کر بیٹھ گئے۔ افلاطون اور یوری پیڈیز سقراط کے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ سقراط کا چہرہ اوپر کی طرف اٹھا تھا۔ بھدے ہونٹوں پر ایک کپکپاہٹ تھی۔ باہر کو نکلی ہوئی موٹی موٹی آنکھوں پر پتلیاں ساکت تھیں۔ گھونگریالے بال مشعلوں کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ سقراط نے ایک لمبی سانس لی اور پتلیوں کو بغیر حرکت دیئے بولا......

''وہ عقل کُل ایک ہی ہے۔ نہ وہ انسانوں جیسا ہے نہ وہ انسانوں کے وہم وگمان میں آسکتا ہے۔ نہ وہ بیلوں، گھوڑوں جیسا ہے جس کی تصویریں انسان بناتے ہیں۔ اس کی کوئی شکل نہیں۔ یہی عقل کُل ہے۔ جو کائنات کے نظام کو درست رکھتی ہے۔ اس دنیا کی بے ترتیبی کو وہی ترتیب میں رکھتا ہے۔ وہ سب کو دیکھتا ہے سب کی سنتا ہے سب کو سمجھتا ہے میرا اس پر یقین ہے۔ وہ سب سے بڑی سچائی ہے وہ حسن

کی سب سے بڑی مثال ہے۔"

سقراط یہ بات کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اچانک گھر میں داخل ہونے والے دروازے سے ایک قہقہہ سنائی دیا اور سب نے مڑ کر دیکھا تو دو خوش پوش آدمیوں پر نظر پڑی ان کے ساتھ مصری ساز بجانے والی لڑکی ٹکوری بربط اٹھائے ساتھ کھڑی تھی۔ وہ آدمی اندر آئے اور ان کو آتے دیکھ کر حلقے میں بیٹھے ہوئے کچھ آدمیوں نے اٹھ کر ان کے لئے جگہ بنائی۔ وہ بیٹھ گئے۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا......

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم یونانیوں کے خداؤں اور دیوتاؤں پر یقین نہیں رکھتے۔"

سقراط نے اس کی بات سن کر مسکرا کر جواب دیا۔

"مجھے پتہ تھا کہ تم آ کر میری محفل ضرور برباد کرو گے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جہاں سقراط گفتگو کے لئے جائے وہاں میلی ٹاس اور ارسٹوفیز نہ پہنچیں۔"

"یہ میری بات کا جواب نہیں۔"

میلی ٹاس نے ہاتھ ہلا کر سقراط کی بات کاٹی۔ سقراط نے مسکرا کر کہا....

"پچھلی بار تم نے غالباً یہ کہا تھا کہ میں ملحد ہوں۔ مجھے کسی خدا پر یقین نہیں۔"

"ہاں کہا تھا۔" میلی ٹاس نے سینہ تان کر کہا۔

سقراط نے اہل محفل سے مخاطب ہو کر کہا......

"سن رہے ہو بھائیو۔ آج میلی ٹاس کہہ رہا ہے کہ میں نئے خدا کا تصور پیش کر رہا ہوں۔ میں ملحد نہیں۔ میلی ٹاس کی کون سی بات کو سچ مانا جائے، پہلی یا دوسری؟"

''بدتر کو بہتر اور بہتر کو بدتر ثابت کرنا تمہارے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔''

ارسٹوفینیز نے شراب کا مشکیزہ کھولتے ہوئے کہا۔

''تم دلائل سے ہر جنگ جیت سکتے ہو مجھے یقین ہے جب موت کا فرشتہ تمہاری جان لینے آئے گا تو تم دلائل دے کر اسے واپس بھیج دو گے۔''

''تم نے میری اس بات کو پورے ایتھنز میں مشہور کر دیا ہے۔''

سقراط نے کہا۔

''لیکن کچھ ایسی باتیں بھی کرتے ہو جو مجھ میں نہیں ہیں۔''

''مثلاً وہ کونسی باتیں ہیں، ذرا بتلاؤ۔''

ارسٹوفینیز نے مشکیزہ منہ کو لگاتے ہوئے کہا۔

''مثلاً تم نے اپنے ڈرامے بادل (Clouds) میں مجھے بادلوں پر چلنے والا، دھرتی سے نفرت کرنے والا آدمی بنا دیا...... دلائل دے کر قرض خواہوں کو ٹرخانے والا، چالاک آدمی بنا دیا۔''

سقراط نے مسکرا کر ایک سانس میں سب کچھ کہہ دیا۔ پھر محفل میں بیٹھے لوگوں کو مخاطب کر کے بولا......

''میرے عزیزو، کیا میں نے کسی کا قرض دینا ہے؟''

''نہیں۔'' اہل محفل بولے۔

''کیا میں نے کسی کو دلائل دے کر ٹرخانے کی کوشش کی؟''

''نہیں۔ تم نے مجھ سے ایک بار ایک مچھلی ادھار لی تھی، دو دن بعد پیسے

دے دیئے تھے۔''

ایک آدمی نے جواب دیا۔

''سن رہے ہو ارسٹوفینیز، میں نے اسے پیسے دے دیئے تھے۔کوئی دلیل نہیں دی۔نہ اسے ٹرخایا۔''

سقراط نے ارسٹوفینیز کو مخاطب کیا جو شراب کا پورا مشکیزہ پی کر اب ہچکیاں لے رہا تھا۔

''یہ سب جھوٹ کہتے ہیں۔'' ارسٹوفینیز بولا۔

''تم اپنے آپ کو ایتھنز کا سب سے بڑا عقل مند آدمی کہتے ہو۔''

''یہ بات میں نے کبھی نہیں کہی۔ یہ بات اپالو دیوتا کے معبد خانے ڈیلفی کے کاہن نے کہی تھی۔''

سقراط نے سر ہلا کر کہا......

''تم نے اس بات پر یقین کر لیا؟''

''نہیں میں نے یقین نہیں کیا۔تحقیق شروع کر دی تھی۔''

''کیسے؟'' ارسٹوفینیز نے پوچھا۔

''میں نے ایتھنز کے ہر عقل مند آدمی سے بات کی۔''

ارسٹوفینیز نے قہقہہ لگا کر سقراط کی بات کاٹی۔

''اور اسے دلائل دے کر بے وقوف ثابت کر دیا۔''

''ہاں'' سقراط نے جواب دیا۔

''اس لئے کہ وہ عقل مند نہ تھے۔ عقل مند ہونے کا روپ دھار رہے تھے۔ میں نے فنکاروں، اداکاروں، دانشوروں اور سیاست دانوں سے ان کے شعبے اور فن کے بارے میں پوچھا پتہ چلا کہ میں ان سے زیادہ جانتا ہوں۔ وہ اپنے فن اور کام کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔''

''اور پھر تم نے اعلان کر دیا کہ تم سب سے بڑے عقل مند ہو؟''

''نہیں میں نے یہ اعلان نہیں کیا۔ ان سب نے مل کر اعلان کر دیا کہ ایتھنز کا میں سب نے بڑا جاہل آدمی ہوں۔'' سقراط نے جواب دیا۔

''حالانکہ ڈیلفی کا اشارہ تھا کہ میں سب سے عقل مند آدمی ہوں اور ایتھنز کے لوگوں کا ڈیلفی کے اشاروں پر پورا اعتماد ہے۔''

''اعتماد تو ہمیں تم پر بھی ہے۔'' ارسٹوفینیز نے ہچکی لے کر کہا۔

''مگر تمہیں ہم پر اعتماد نہیں۔''

''ہاں مجھے تم پر واقعی اعتماد نہیں۔'' سقراط نے مسکرا کر کہا۔

''تم سب نے مل کر میرے خلاف ایک محاذ قائم کر لیا ہے میں جہاں جاتا ہوں جہاں جا کر بات کرتا ہوں تم لوگ مکھیوں کی طرح میرے تعاقب میں چلے آتے ہو۔''

ٹکوری کی طرف اشارہ کر کے۔

''اس مصری رقاصہ کو ساتھ لے آتے ہو جو جنسی اشاروں کا کھیل کھیل کر میری محفل اجاڑ دیتی ہے۔''

نکوری نے اپنے ہاتھ میں پکڑے مصری ساز کے تاروں پر انگلیاں چلائیں۔ سقراط نے اس کی اس حرکت کی مسکرا کر داد دی اور پھر ارسٹوفینیز کو دیکھ کر بولا......

''ایک بات یاد رکھو ارسٹوفینیز، تم سارے لوگ بھی مل کر مجھے نہیں مار سکتے۔ میں تھا، میں ہوں، میں رہوں گا۔''

''میں ہوں، میں رہوں گا تک تو بات ٹھیک ہے۔''

ارسٹوفینیز بولا......

''مگر، میں تھا، والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''اگر تم چاہو تو میں دلائل دے کر یہ بات ثابت کر سکتا ہوں کہ میں پیدائش سے پہلے بھی موجود تھا۔''

سقراط کی یہ بات سن کر ارسٹوفینیز نے ہاتھ ہلا کر کہا......

''نہیں۔ نہیں، میں تمہاری باتیں سن کر سر درد مول لینا نہیں چاہتا۔ میں مان لیتا ہوں کہ تم پیدائش سے پہلے بھی موجود تھے اور عالم ارواح سے آ کر اب پورے ایتھنز کی نوجوان نسل کو برباد کر رہے ہو۔''

''تم سب نے نئی نسل کو اچھی تربیت دی۔''

''اس میں کیا شک ہے؟'' میلی ٹاس بڑی دیر کے بعد بولا۔

''اس کا مطلب ہے میری باتیں انہیں تمہارے اصولوں اور قاعدوں کو بھولنے پر مجبور کر رہی ہیں۔''

''ہاں۔ایسا ہی ہو رہا ہے'' میلی ٹاس نے کہا۔

''اچھا ایک بات بتلاؤ'' سقراط نے اس سے کہا ......

''پوچھو۔''

''ایک چور ایک دیوار میں نقب لگا کر گھر کے اندر داخل ہو گیا۔ اگر دیوار مضبوط ہوتی اور چور نقب لگانے میں کامیاب نہ ہوتا تو وہ گھر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔'' سقراط نے کہا۔

''کیا مطلب؟'' میلی ٹاس نے پوچھا۔

''مطلب یہ کہ تمہاری تربیت کمزور اور ناقص تھی۔ جسکی وجہ سے میں نقب لگا کر نئی نسل کے دل و دماغ میں چوروں کی طرح گھس گیا۔''

''یہ سب بے تکی باتیں ہیں۔''

میلی ٹاس جھنجلا کر بولا ...... ارسٹوفینیز جو زیادہ پینے کی وجہ سے مسلسل ہچکیاں لے رہا تھا۔ زور سے چلا کر بولا ......

''دائی کے اس بیٹے کا دماغ چل گیا ہے میلی ٹاس اس سے بحث نہ کرو۔''

پروفیسر رمزے جو بڑی دیر سے تاؤ پیچ کھا رہا تھا مگر شیبا اس کو سنبھالے بیٹھی تھی۔ ارسٹوفینیز کی اس بات پر شیبا کا ہاتھ جھٹک کر کھڑا ہو گیا اور بولا ......

''ارسٹوفینیز صاحب۔ آپ بکواس کر رہے ہیں۔ ساری دنیا میں آپ صرف ایک کامیڈی رائٹر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں لیکن سقراط کو زمانہ فہم و

دانش کی اونچی فصیل کے نام سے جانتا ہے...... دنیا کا کوئی لکھنے والا ایسا نہیں جس نے سقراط کو جبر کے خلاف جدوجہد اور صبر کی علامت نہ کہا ہو...... آپ کی مخالفت زمانہ ادب نفرت سے دیکھتا ہے۔ آپ ایک قطرہ ہیں۔ سقراط ایک سمندر ہے سمندر۔"

پروفیسر رمزے یہ کہہ کر بے دم ہو کر بیٹھ گیا۔ شیبا سہم گئی کہ خدا جانے اب کیا ہو۔ سقراط، افلاطون، یوری پیڈیز نے اسے نگاہوں ہی نگاہوں میں داد دی۔ ارسٹوفینیز نے پروفیسر رمزے کی بات سن کر میلی ٹاس سے پوچھا......

"یہ اجنبی کون ہے۔ ایتھنز کا تو نہیں لگتا۔ غیر ملکی لگتا ہے، کون ہے یہ؟"

یوری پیڈیز جھٹ سے بولا......

"ہمارا مہمان ہے۔ سات سمندر پار سے آیا ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن کیا اسے غیر ملکیوں کے حقوق و فرائض کا نہیں پتہ۔ کیا یہ نہیں جانتا کہ ہم غلاموں اور غیر ملکیوں کو ووٹ کا اور بولنے کا حق نہیں دیتے...... حقوق کی یہ حد پار کرنے کے سلسلے میں اسے عدالت میں طلب کیا جا سکتا ہے۔"

ارسٹوفینیز کی یہ بات سنکر شیبا نے گھبرا کر پروفیسر رمزے کی طرف دیکھا لیکن پروفیسر رمزے شراب کے خمار میں ابھی تک اونگھ رہا تھا۔

ارسٹوفینیز نے پھر میلی ٹاس کی طرف دیکھ کر کہا......

"کیوں میلی ٹاس تمہارا کیا خیال ہے؟"

میلی ٹاس نے فوراً جواب دیا۔

''ایتھنز کا قانون غیر ملکی لوگوں کو ایتھنز کے اندرونی نظام شہریت اور شہریوں کے معاملات میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔''

''کس قانون کی بات کرتے ہو تم میلی ٹاس؟''

سقراط نے اونچی آواز میں ٹوکا۔

''اس قانون کی سقراط، جو ایتھنز کے شہری اسمبلی میں بیٹھ کر بناتے ہیں۔''

میلی ٹاس نے بھی اسی تیزی کے ساتھ جواب دیا جو تیزی سقراط نے دکھائی تھی۔

''کس اسمبلی کی بات کرتے ہو، اسمبلی میں بیٹھنے والے ترکھانوں، موچیوں، دکانداروں، تاجروں کی جو وہاں بیٹھ کر صرف یہ سوچتے ہیں کہ چیزیں سستی کیسے خریدی جا سکتی ہیں اور انہیں مہنگا کیسے بیچا جا سکتا ہے۔ مجھے بتلاؤ کبھی تمہاری اسمبلی میں بیٹھنے والوں نے عوام کے بارے میں بھی کچھ سوچا ہے؟''

''تم اسمبلی کی توہین کر رہے ہو سقراط۔''

میلی ٹاس نے غصے میں کہا۔

''اسمبلی میں بیٹھنے والے میری جو عزت کرتے ہیں، وہ تم سب جانتے ہو۔'' سقراط نے جواب دیا۔

''اور پھر جاہل کو جاہل کہنا عیب تو نہیں اور اس جاہل کو جس کا جہل

سوسائٹی کے لئے نقصان دہ ہو۔''

''تمہاری یہ سچائی کسی دن تمہیں مصیبت میں پھنسا دے گی۔'' میلی ٹاس نے بہت غصے میں کہا۔

سقراط نے اس کی بات سن کر ایک قہقہہ لگایا اور بولا ......

''کیا میں اب مصیبت میں نہیں ہوں۔ میں نے چند دل کی باتیں کرنے کیلئے ایک کونہ تلاش کیا تھا تم لوگوں نے آ کر وہاں بھی چین نہیں لینا دیا۔''

میلی ٹاس نے سقراط کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے ارسٹوفینیز کے سر کو سہارا دیا جو اس کے کاندھے سے نیچے ڈھلک رہا تھا۔ ارسٹوفینیز نشے میں دھت خراٹے لے رہا تھا۔

سقراط نے چاروں طرف بیٹھے ہوئے اپنے ساتھیوں کو دیکھا اور کھڑا ہوگیا۔ سب ساتھی بھی کھڑے ہو گئے۔ سقراط نے خراٹے لیتے ہوئے ارسٹوفینیز پر نظر ڈالی اور کہا......

''چلو میرے عزیزو، قبرستان میں تقریر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

یہ کہہ کر وہ کمرے کے دروازے کی طرف چلا گیا۔ اس کے پیچھے افلاطون، یوری پیڈیز ...... شیبا نے اونگھتے پروفیسر رمزے کو اٹھایا۔ یوری پیڈیز کے ملازم نے اسے سہارا دیا اور دونوں رمزے کو لے کر باہر نکل گئے۔

میلی ٹاس نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی کو اشارہ کیا۔

''پتہ کرو یہ اجنبی اور اس کی ساتھی لڑکی کہاں ٹھہرے ہیں؟''

وہ آدمی میلی ٹاس کی بات سن کر باہر چلا گیا۔ میلی ٹاس نے ارسٹوفینیز کو خالی جگہ پر لٹا دیا۔ خود مشکیزرے سے شراب پینے لگا۔ ٹکوری نے سقراط کی جگہ سنبھال لی تھی۔ میلی ٹاس کی آنکھ کا اشارہ پا کر اس نے اپنے ساز پر انگلیاں چلانی شروع کر دیں اور چند لمحوں کے بعد وہ کمرہ جہاں سقراط کی آواز گونج رہی تھی ٹکوری کے نغمے سے بھر گیا۔

....

ٹکوری سقراط کی بزم دانش اجاڑ کر جب اپنے گھر پہنچی تو روکی بے خبر سو رہا تھا۔ٹکوری نے اسے جگانے سے پہلے ایک پوٹلی نما تھیلے سے کھانے پینے کی چیزیں میز نما پتھر کے ٹکڑے پر رکھیں جو اینٹوں کے چار پیروں پر کھڑا تھا۔روکی نے کروٹ بدلی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔آنکھیں مل کر ٹکوری کو دیکھنے لگا۔ٹکوری نے بہت مختصر لباس پہنا ہوا تھا لیکن اس لباس پر اس نے سفید رنگ کی ایک بڑی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ ٹکوری نے روکی کو حیران دیکھ کر اپنی چادر اتار کر ایک طرف رکھی اور مسکرا کر روکی کے سامنے کھڑی ہو گئی اور روکی سے کہنے لگی......

''کیا دیکھ رہے ہو۔ میں ٹکوری ہوں۔ چلو آؤ کچھ کھا پی لو۔رات بہت لمبی ہے۔نیند نہیں آئے گی۔''

یہ کہہ کر ٹکوری ایک الماری کی طرف گئی۔اسے کھولا اور چمڑے کی بنی ہوئی ایک بوتل نما تھیلی نکالی اور میز پر رکھے کھانے پینے کے سامان پر تھیلی کا منہ کھول کر کوئی تیل نما چیز ڈال دی۔

''یہ کیا ہے؟'' روکی نے پوچھا۔

''زیتون کا تیل۔ بہت طاقتور ہے پورا یونان اس پر زندہ ہے۔''

ٹکوری نے تھیلی پر رکھ کر روکی کی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا......

''اور میں تمہیں مارنا نہیں چاہتی۔ زندہ رکھنا چاہتی ہوں۔''

روکی کو بہت بھوک لگی تھی۔ وہ اٹھا اور میز کے قریب رکھی ایک نشست پر بیٹھ گیا۔ ٹکوری نے پیالوں میں جن کے دونوں کناروں پر گول گول ہینڈل بنے ہوئے تھے سرخ رنگ کا پانی دوسری چمڑے کی بڑی تھیلی سے ڈالا۔ روکی نے پوچھا......

''اور یہ کیا ہے؟''

''شراب۔ یونانیوں کی یہ دوسری من پسند چیز ہے۔''

روکی یونانیوں کی اس من پسند چیز سے واقف تھا۔ میئر صاحب کی پارٹیوں میں چوری چوری اس من پسند چیز سے تعارف کر چکا تھا اس کے لئے وہ اجنبی نہ تھی ......ٹکوری نے جب پیالہ بھر کر اس کی طرف بڑھایا تو روکی نے مسکرا کر پیالہ پکڑ لیا اور پیالے پر ہونٹ رکھ کر ایک ہی سانس میں پیالہ خالی کر دیا۔ ٹکوری نے مسکرا کر روکی کو دیکھا اور کہنے لگی ......

''بہت پرانے کھلاڑی معلوم ہوتے ہو۔''

''کس کھیل کے؟''

ٹکوری نے خود پیالے سے ایک گھونٹ لی اور اور کہا......

''انگور کی اس بیٹی کو ایک ہی گھونٹ میں اندر اتار لیا؟''

''مجھے بہت پیاس لگی تھی اس لئے۔''

اور پھر روکی میز پر رکھی کھانے کی چیزوں کو غور سے دیکھنے لگا۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کھا رہا ہے۔ بس وہ کھاتا رہا۔ ایک چیز کا اسے پورا یقین تھا کہ یہ مچھلی ہے اور اس نے وہی زیادہ کھائی۔ اور اس کے ساتھ ڈبل روٹی نما شے جو ایک فٹ لمبی تھی اور اس کے چاروں طرف سفید تل لگے ہوئے تھے۔ ٹکوری نے کھاتے کھاتے اس کی طرف دیکھ کر کہا......

''آج سقراط کی محفل میں بہت لطف آیا۔''

روکی کو شراب کا نشہ ہونے لگا تھا۔ ٹکوری کی طرف دیکھ کر بولا......

''کیا ہوا محفل میں؟''

''بڑی عجیب بات۔ ارسٹوفینیز کو پہلی بار کسی باہر کے آدمی نے جی بھر کر برا بھلا کہا۔''

''یہ ارسٹوفینیز کون ہے؟''

''تم نہیں جانتے؟''

''بالکل نہیں۔ میں یونان میں صرف تمہیں جانتا ہوں۔''

نشہ ذرا اور زیادہ ہونے لگا تھا۔ ٹکوری کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے روکی بولا۔ ٹکوری کو...... جس کا جادو میرے سر چڑھ کر بولنے لگا ہے۔ ٹکوری مسکرائی اور سوچنے لگی کہ شراب خرید کر اس نے کوئی حماقت نہیں کی۔ شراب نے اثر دکھانا شروع کر دیا ہے۔

''تم بہت اچھی ہو ٹکوری۔ میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ لیکن مجھے یہ

بتاؤ کہ وہ کون تھا جس نے اس کی بے عزتی کی جس کو میں نہیں جانتا۔ کیا نام ہے اس کا؟"

"ارسٹوفینیز۔ بہت بڑا کامیڈی لکھنے والا۔ سقراط اور یور پیڈیز کا جانی دشمن۔"

"میں اسے نہیں جانتا۔ مگر میرے پروفیسر رمزے ضرور جانتے ہوں گے۔"

پروفیسر رمزے کا نام سن کر ٹکوری ذرا چونکی اور پھر کہنے لگی......

"ہاں ہاں۔ یہی غیر ملکی تو ہے جس نے سقراط کی حمایت میں ارسٹوفینیز کو بہت برا بھلا کہا تھا۔"

پروفیسر رمزے کا نام سن کر روکی کے دماغ سے یونانی من پسند چیز کا سارا نشہ اتر گیا اور وہ ٹکوری کی طرف دیکھ کر بولا......

"اس غیر ملکی آدمی کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی شیبا۔"

ٹکوری کہنے لگی......

"لڑکی تو تھی مگر اس کا نام مجھے نہیں پتہ۔"

اور پھر ٹکوری نے روکی کی طرف دیکھا اور مسکرا کر کہنے لگی......

"میں بھی لڑکی ہوں اور میرا نام ٹکوری ہے۔ چلو دوسرے کمرے میں چل کر میں تمہیں مصر کی رومانوی کہانیاں سناؤں۔ جنہیں سن کر تمہارا نشہ اور بڑھ جائے گا۔"

روکی نے پروفیسر رمزے اور شیبا کے بارے میں مزید بات چیت کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اٹھ کر ٹکوری کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

....

ارسٹوفینیز اور میلی ٹاس سے جھگڑا کر کے سقراط اور اس کے ساتھی جمنازیم کی سیڑھیوں پر آ کر بیٹھ گئے۔ پروفیسر رمزے اور شیبا ان کے ساتھ تھے۔ سقراط نے رمزے کی طرف دیکھ کر کہا......

''ارسٹوفینیز کو تم نے خوب ہاتھوں ہاتھ لیا۔''

''یہ سب کچھ میں نے آپ سے سیکھا ہے۔''

لیکن میں لوگوں سے اس طرح تو نہیں لڑتا جس طرح تم نے کیا۔''

پروفیسر رمزے نے مسکرا کر کہا......

''یہی فرق تو ہے عام آدمی اور سقراط میں۔ دلائل کی جو قوت آپ میں ہے، ہمیں وہ حاصل کرنے کے لئے کم از کم سات زندگیاں بھی ناکافی ہوں گی۔''

سقراط نے مسکرا کر کہا......

''کچھ نہیں آتا مجھے۔ میں تو بس چیزوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ انہیں جاننے کا عمل جاری رکھتا ہوں۔ کبھی میرے ہاتھ سونا آ جاتا ہے اور کبھی ہاتھوں میں

ریت لے کر مسکرا دیتا ہوں۔"

سقراط پل بھر کے لئے رکا۔ پھر کہنے لگا......

"میں انسانوں سے بہت ملتا ہوں۔ میرے پاس بس دو لفظ ہیں۔ جن سے میں جاننے کا سفر جاری رکھتا ہوں۔"

پروفیسر رمزے اور شیبا بت بنے سقراط کی باتیں سن رہے تھے۔ جب سقراط نے یہ بات کی تو بے ساختہ شیبا نے پوچھا......

"وہ دو الفاظ کیا ہیں سر۔"

سقراط نے مسکرا کر شیبا کو دیکھا اور کہا......

"Ti-To"

"اس کا کیا مطلب ہے؟"

"یہ کیا ہے؟" سقراط مسکرا کر بولا......

"ان الفاظ کی مدد سے میں چیزوں کے اندر اتر جاتا ہوں اور سچ میرے ہاتھ آ جاتا ہے۔"

اور پھر افلاطون کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور کہنے لگا......

"اور افلاطون اس تمام روداد کو اپنے ذہن کی مومی تختی پر سجا لیتا ہے۔"

افلاطون کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ افلاطون کا ملازم بھاگا ہوا آیا۔ افلاطون نے اس کی طرف دیکھا اور کہا......

"کیوں خیریت ہے نا؟"

''ہاں مالک خیریت ہے۔'' ملازم نے اپنی سانس درست کی اور ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کر کے کہا......

''عرب سوداگروں کا ایک قافلہ جنوبی سرائے میں آ کر ٹھہرا ہے اور وہ آپس میں بڑی مفید باتیں کر رہے ہیں۔ میں آپ کو اطلاع دینے آیا ہوں۔''

''شکریہ۔'' سقراط نے خوش ہو کر کہا......

''ہم سب وہاں جائیں گے۔''

اور پھر پروفیسر رمزے اور شیبا کی طرف دیکھ کر......

''انہیں آرام کرنا چاہیے۔''

پروفیسر رمزے اور شیبا خاموش رہے۔ یوری پیڈیز نے اپنے ملازم کو کہا......

''انہیں گھر لے جاؤ۔ ہم جنوبی سرائے میں جا رہے ہیں۔ تم کھانے پینے کا کچھ سامان لے کر وہاں آ جانا۔''

سب لوگ کھڑے ہو گئے اور جمنازیم سے باہر آ گئے۔ یوری پیڈیز کا نوکر پروفیسر رمزے اور شیبا کو لے کر ایک طرف چل دیا اور سقراط افلاطون اور یوری پیڈیز کا رخ دوسری طرف تھا۔ میلی ٹس کا آدمی ادھر ادھر دیکھ کر پروفیسر رمزے اور شیبا کے تعاقب میں چلنے لگا۔

آدھ گھنٹے بعد یوری پیڈیز کا نوکر رمزے اور شیبا کو یوری پیڈیز کے مہمان خانے میں چھوڑ کر چلا گیا اور جاتے جاتے کہہ گیا کہ میں ناشتہ لے کر صبح 8

بجے آ جاؤں گا۔ میلی ٹاس کا نوکر پہلے ہی پروفیسر رمزے اور شیبا کی قیام گاہ دیکھ کر چلا گیا تھا۔

دوسرے دن یوری پیڈیز کا نوکر ناشتہ لے کر پہنچا تو ایتھنز کے سرکاری کارندے پروفیسر رمزے اور شیبا کو لے کر جا رہے تھے۔ یوری پیڈیز کے نوکر نے دیکھا تو وہ واپس چلا گیا۔

....

عدالت کا چھوٹا سا کمرہ لوگوں سے بھرا تھا۔ اونچے چبوترے پر تین معزز آدمی بیٹھے تھے جن کے لباس کی رنگت باقی لوگوں سے مختلف تھی اور تینوں کے سروں پر Huds تھے۔ یہ منصفین تھے۔

ان کے دائیں طرف نمایاں جگہ پر سات آدمی ایک قطار میں بیٹھے تھے۔ ان میں ارسٹوفینیز اور میلی ٹاس نمایاں تھے۔ یہ جیوری کے ممبران تھے جن کا کام جج حضرات کو فیصلے کی تردید یا تائید میں مشورہ دینا تھا۔ بائیں طرف ایک کٹہرا تھا جس میں ملزم کو پیش کیا جاتا تھا۔ کٹہرے کے بالکل قریب چند آدمی بیٹھے تھے۔ یہ ملزم کے لئے صفائی کی تقریریں لکھتے تھے اور ملزم اس کا معاوضہ ادا کرتا تھا۔ یونانی زبان میں انہیں Orator کہتے تھے جو بعد میں وکیل کا نام لے کر اب تک زندہ ہیں۔ عدالت کے بالکل ایک کونے میں چار سرکاری کارندوں کے درمیان شیبا اور پروفیسر رمزے کھڑے تھے۔ پروفیسر رمزے کے چہرے پر ہلکی سی پریشانی تھی مگر شیبا کا چہرہ ہر فکر اور پریشانی سے آزاد تھا۔ بس وہ دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے اسے کسی کا انتظار ہو۔ جس طرف جیوری کے ممبران بیٹھے تھے ان کے پیچھے چوتھی قطار میں

ٹکوری اور روکی بیٹھے تھے۔ روکی مسلسل شیبا اور پروفیسر رمزے کو دیکھ رہا تھا۔ روکی کا چہرہ ایک چادر نما برقعے میں چھپا تھا اور ٹکوری اسے بار بار کہہ رہی تھی ......

''بھولنا نہیں۔ اگر کوئی تم سے پوچھے تو کہنا تم میرے بھائی ہو اور مصر سے آئے ہو۔''

روکی ہر بار ٹکوری کی بات سن کر اسے گھور کر دیکھتا تھا اور زیر لب گالی دیتا تھا اور ٹکوری ہر بار پوچھتی تھی ......

''تم نے کچھ کہا؟''

روکی ہر بار کہتا تھا ...... نہیں کچھ نہیں۔''

منصفین کی نشستوں پر بیٹھے تین آدمیوں میں سے ایک آدمی نے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر کہا ......

''مقدمے کی کارروائی شروع ہوتی ہے۔ یہ مقدمہ دو غیر ملکیوں کے بارے میں ہے جو ہماری ریاست میں نہ جانے کیا مقصد لے کر آئے ہیں۔ ہماری نظر میں صرف ایک مقصد ہو سکتا ہے اور وہ ہے جاسوسی ہم انہیں سزا نہیں دے سکتے جب تک ان سے سن نہ لیں کہ وہ صفائی میں کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

جج نے پھر پروفیسر رمزے اور شیبا کی طرف دیکھا اور کہا ......

''یونان میں ہر ملزم کو یہ رعایت دی جاتی ہے کہ وہ کرائے پر اس کی صفائی میں تقریر لکھنے والے کی مدد حاصل کرے۔ کیا تم اس رعایت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو۔''

پروفیسر رمزے نے دور سے اونچی آواز میں کہا ......

''نہیں جناب۔ یونان کے ادب اور یونان کے مہان لکھاریوں کی بدولت میں اپنے دفاع میں خود خطاب کر سکتا ہوں۔''

دوسرے جج نے بلند آواز میں کہا......

''اسے کٹہرے میں پیش کیا جائے۔''

چار کارندوں میں سے دو نے پروفیسر رمزے کو کٹہرے میں لا کر کھڑا کر دیا اور پھر وہیں جا کر کھڑے ہو گئے جہاں شیبا کھڑی تھی۔ پہلے جج نے پروفیسر رمزے کی طرف دیکھ کر پوچھا......

''تم لوگ کون ہو، کہاں سے آئے ہو اور یونان میں آنے کا تمہارا مقصد کیا ہے؟''

پروفیسر رمزے نے عدالت میں بیٹھے لوگوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور پھر جج کی طرف دیکھ کر بڑے مودب انداز میں سر جھکا کر کہا......

''ہم آپ کی دنیا کے باشندے نہیں ہیں جناب عالی۔ ہم آپ سے 27 سو سال بعد کے زمانے میں سانس لے رہے ہیں۔''

یہ بات سن کر سوائے روکی، شیبا اور پروفیسر رمزے کے سارے لوگ ہنسنے لگے اور ایک آدمی نے اونچی آواز میں کہا......

''اس پاگل کو کہاں سے پکڑ لائے ہو؟''

پروفیسر رمزے نے بلند آواز میں جواب دیا۔

''آپ کو میری باتوں پر یقین آئے یا نہ آئے۔ مگر آپ کی اس بات سے

مجھے یقین آ گیا ہے کہ میں یونان میں ہوں اور آپ پکے یونانی ہیں۔ ہر عقل مند آدمی کی مخالفت آپ کی عادت ہے۔آپ نے سقراط کو زہر دیا۔ افلاطون آپ سے ڈر کر اٹلی اور سسلی چلا گیا۔ ہندوستان میں جا کر پنڈتوں کی گپھاؤں میں دن گزارے۔ ارسطو کی مخالفت کی......"

ابھی پروفیسر رمزے نے اپنی بات ختم نہیں کی تھی کہ عدالت کے ہال میں سے تین چار آدمی کھڑے ہوئے اور ایک ان میں سے کہنے لگا......

''یہ پاگل ہی نہیں، جنونی، دیوانہ اور بے وقوف بھی ہے۔ جو نہیں ہوا وہ بتلا رہا ہے۔ سقراط زندہ ہے۔ افلاطون چلتا پھرتا ہے۔ ارسطو پتہ نہیں کون ہے......اسے یونان کی سرحد سے نکالو۔ ورنہ یہ ہم سب کو پاگل کر دے گا۔"

یہ کہہ کر وہ بیٹھ گیا۔ اسی دوران سقراط، یوری پیڈیز، افلاطون عدالت کے ایک دروازے میں نظر آئے اور وہیں ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ جج نے پروفیسر رمزے کی طرف دیکھ کر پوچھا......

''جو کچھ تم کہہ رہے ہو، وہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ تم ان واقعات کا ذکر کر رہے ہو، جو ابھی نہیں ہوئے۔"

''لیکن میری دنیا میں انہیں ہوئے ڈھائی صدیاں گزر چکی ہیں۔" پروفیسر رمزے نے جواب دیا۔

تینوں ججوں نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا اور پھر تینوں نے اپنے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے پاگل پن کا قصوروار ٹھہرایا۔ ایک جج مسکرا کر پروفیسر رمزے

سے کہنے لگا......

''ہماری دنیا کی تمہاری دنیا میں اور کیا کیا باتیں ہوتی ہیں؟''

آپ کی دنیا سے ہماری ساری دنیا نے راہنمائی حاصل کی ہے۔ آپ کی فکر، آپ کا ادب، آپ کی دانش، آپ کا ڈرامہ......ہم نے ان سے فائدہ حاصل کر کے اپنی دنیا کا حسن دوبالا کیا ہے......آپ نے جن لوگوں کی قدر نہیں کی ہم نے انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا۔''

ارسٹوفینیز نے کھڑے ہو کر کچھ کہنا چاہا تو ایک جج نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پروفیسر رمزے نے اپنی بات جاری رکھی۔

''عربوں نے یونانیوں کی کتابوں کا ترجمہ کر کے انہیں انگریزوں اور فرانسیسیوں سے روشناس کرایا۔ یونانی لکھاریوں سے ڈرامہ لکھنا سکھا۔ ورجل، دانتے، ملٹن نے ہومر کی انگلی پکڑ کر شہرت کے پہاڑوں کی بلندیوں پر ڈیرے ڈالے۔''

ارسٹوفینیز نے میلی ٹس کی طرف دیکھ کر پوچھا......

''یہ کون جانور ہیں؟''

''پتہ نہیں'' میلی ٹس نے ہنس کر کہا۔

پروفیسر رمزے نے بات جاری رکھی۔

''ہمارے دانش وروں کا کہنا ہے کہ دنیا فکری طور پر ارسطو، سقراط کے زمانے میں تھی۔ زندہ ہے اور زندہ رہے گی......''

یہ بات سن کر ایک جج ہنس کر بولا......

''مگر تمہاری باتیں سن کر ہم زندہ نہیں رہیں گے۔''

پروفیسر رمزے یہ بات سن کر خاموش ہو گیا۔ شیبا نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھے۔ جب بھی کوئی جج پروفیسر رمزے کی بات کاٹتا یا ان کا مذاق اڑاتا شیبا کا دل دھک سے کانپ جاتا تھا...... جج نے اپنے دو ساتھیوں سے کچھ مشورہ کیا اور پھر پروفیسر رمزے سے پوچھا......

''تم نے جو کچھ کہا بالکل بکواس تھا۔ ہم تمہاری بے سروپا باتوں پر یقین نہیں کر سکتے۔ ہمیں صرف اتنا بتاؤ تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟''

''ہم آئے نہیں۔ بس اتفاق سے یہاں پہنچ گئے ہیں۔''

''وہ اتفاق کیا ہے؟''

''ایک طویل اندھی غار۔ جس میں ہم رات داخل ہوئے اور غروب سورج کے وقت اس دنیا میں آ گئے۔''

عدالت کے لوگوں میں پھر ایک قہقہہ بلند ہوا۔ ٹکوری کے ساتھ بیٹھے روکی نے کہا......

''پروفیسر رمزے ٹھیک کہتے ہیں۔''

ٹکوری نے اسے گھور کر دیکھا اور غصے میں کہا......

''اپنی زبان بند رکھو۔ ورنہ اس کے ساتھ تم بھی کٹہرے میں کھڑے ہو گے۔''

عدالت کے کمرے میں لوگوں کے قہقہوں کی آواز رکی تو جج نے کہا......

''رات کے بعد سورج طلوع ہوتا ہے۔ تم رات کو چل کر ہماری دنیا میں غروب آفتاب تک آ گئے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

پروفیسر رمزے چپ ہو گئے۔ دور کونے میں کھڑے سقراط نے آگے بڑھ کر کٹہرے کی طرف آنا چاہا تو افلاطون نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر روک لیا۔ جج نے پروفیسر رمزے کی طرف دیکھ کر پوچھا......

''تم ایرانی تو نہیں ہو؟''

''بالکل نہیں۔ اور ایک بات میں قسم کھا کر کہنا چاہتا ہوں ہم جاسوسی کے لئے نہیں آئے بلکہ یہاں آ کر یونانیوں سے ہمارا عشق اور بڑھ گیا ہے۔ میں یونیورسٹی میں یونانی ادب پڑھاتا ہوں۔ یونانیوں کی ثقافت ادب، فکر پر میری چار کتابیں چھپ چکی ہیں۔ جہاں سے میں نے علم و دانش حاصل کیا ہے ان کی جاسوسی میں کیوں کروں گا؟''

یہ بات سن کر ارسٹوفینیز کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا......

''سقراط اور یوری پیڈیز سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

پروفیسر رمزے نے کوئی جواب نہ دیا۔

''تم امرد پرستی کی عادتِ بد میں مبتلا تو نہیں ہو گی؟''

ارسٹوفینیز نے ہنس کر پوچھا......

''یہ الزام تم نے سقراط پر بھی لگایا تھا۔'' پروفیسر رمزے نے کہا۔

عدالت میں بیٹھے لوگوں میں سے تین چار آدمی اٹھے اور ہاتھ لہرا کر کہنے لگے۔

''ہم اپنا کاروبار چھوڑ کر عدالت کی کارروائی سننے آئے ہیں۔ ہمارا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ جلد فیصلہ سناؤ۔ یہ آدمی پاگل ہے۔ اسے ریاست بدر کر دیا جائے۔ جیل میں نہ رکھا جائے۔ مفت میں ریاست کے اخراجات میں اضافہ ہوگا۔''

''اسے تھوڑی بہت سزا تو ہونی چاہیئے۔'' دوسرا آدمی بولا۔

''کس جرم میں؟'' پہلے آدمی نے پوچھا۔

ارسٹوفینیز نے فوراً جواب دیا......

''ریاست کے ایک قانون کو اس نے توڑا ہے۔''

سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو ارسٹوفینیز نے کہا......

''اس سے پوچھا جائے جس لڑکی کے ساتھ یہ گھومتا پھرتا ہے اس لڑکی سے اس کا کیا تعلق ہے۔ ایتھنز میں کوئی آدمی کسی غیر لڑکی کے ساتھ نہیں گھوم سکتا صرف بیوی کے ساتھ گھوم سکتا ہے۔ یہ لڑکی اس کی کیا لگتی ہے؟''

شیبا نے پروفیسر رمزے کی طرف دیکھا۔ جج نے ارسٹوفینیز کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پروفیسر رمزے سے پوچھا......

''کیا لگتی ہے یہ لڑکی تمہاری؟''

اس سے پہلے کہ پروفیسر رمزے کوئی جواب دیتا۔ شیبا سرکاری کارندوں کے حلقے سے نکل کر کٹہرے کے پاس آ گئی اور بولی......

''میں ان کی بیوی ہوں۔''

اس بات کا سب سے گہرا اثر روکی پر ہوا۔ وہ یہ سن کر تڑپ اٹھا اور اٹھ کر

کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ٹکوری نے اسے اٹھنے نہیں دیا اور غصے میں ڈانٹ پلائی۔

''چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔ تم مجھے بھی عدالت میں گھسیٹو گے۔''

شیبا کی بات سن کر پروفیسر رمزے نے اس کی طرف دیکھا۔ شیبا نے مسکرا کر اپنا ہاتھ رمزے کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ جج نے دوبارہ پروفیسر رمزے سے مخاطب ہو کر پوچھا......

''اس کی کوئی گواہی دے سکتا ہے؟''

اچانک عدالت کے کونے سے آواز آئی۔

''ہاں میں دے سکتا ہوں گواہی۔''

سب نے ادھر گردن گھما کر دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی۔ بولنے والا سقراط تھا۔ سقراط لوگوں کے ہجوم کو چیرتا ہوا کٹہرے کی طرف بڑھا اور کہنے لگا......

''میں ایتھنز کے قانون سے واقف تھا چنانچہ جب یہ میرے مہمان بن کر آئے تو انہوں نے میرے سامنے شادی کر لی تھی۔''

کٹہرے کے پاس پہنچ کر سرکاری کارندے کو ایک چمڑے کا ٹکڑا پکڑایا اور بولا......

''یہ اس شادی کا تحریری ثبوت ہے جو میرے شاگرد افلاطون نے لکھا ہے میرے انگوٹھے کے نشان کے ساتھ میری گواہی اس پر درج ہے۔''

عدالتی کارندے نے چمڑے کا شادی نامہ جج کے ہاتھ میں دے دیا۔ باری باری تینوں ججوں نے اسے پڑھا اور پھر تینوں نے آپس میں سرگوشی کی اور ایک جج

نے کہا......

ہمیں تمہاری بہت سی باتوں سے اختلاف ہے سقراط۔ کیونکہ وہ باتیں ایتھنز کے قانون اور روایت کے خلاف ہوتی ہیں لیکن ہم تمہاری اس بات پر یقین کر رہے ہیں اور اس شادی کی تائید کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر جج نے شادی نامے پر عدالتی مہر لگا دی۔ جب جج مہر لگا رہا تھا تو ارسٹوفینیز اپنے ساتھیوں کے ساتھ عدالت سے باہر چلا گیا۔ جج نے شادی نامہ کارندے کو دیا اور کارندے نے یہ شیبا کے ہاتھ کی طرف بڑھا۔ شیبا کے ہاتھ کپکپا رہے تھے اور اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ جج نے سقراط سے مخاطب ہو کر کہا......

"اپنے مہمانوں سے کہو جتنی جلدی ہو سکے ایتھنز چھوڑ کر اپنی جھوٹی دنیا میں چلے جائیں۔ ورنہ ایتھنز کا قانون انہیں کڑی سے کڑی سزا دے گا۔"

سقراط، شیبا اور پروفیسر رمزے کو لے کر افلاطون اور یوری پیڈیز کی طرف چلا گیا۔ عدالت سے لوگ واپس اپنے اپنے گھروں کو جا رہے تھے۔ روکی ٹکوری کے ساتھ عدالت کے کمرے سے باہر نکلا لیکن پھر ہجوم میں کہیں غائب ہو گیا اور ٹکوری پریشانی میں اسے ادھر ادھر ڈھونڈنے لگی اور ہجوم میں غائب ہو گئی۔

....

عدالت سے فارغ ہو کر یوری پیڈیز پروفیسر رمزے اور شیبا کے ساتھ سیدھا اپنے گھر چلا گیا۔ سقراط، اگاتھن اور افلاطون بھی ساتھ تھے۔ نوکر نے ناشتے کا سامان سب کے سامنے رکھا تو افلاطون نے سقراط سے کہا......

''استاد۔ آپ ایتھنز میں سچ بولنے کے لئے مشہور ہیں۔ آپ کے دشمن بھی اس کی گواہی دیتے ہیں۔ پھر آپ نے یہ جھوٹ کیوں بولا؟''

سقراط مسکرایا اور کہنے لگا......

''سچ اور جھوٹ دو حقیقتیں ہیں۔ لیکن ان حقیقتوں کا اظہار کرتے وقت بہت عقل مندی سے کام لینا چاہئے۔''

''کیا مطلب؟''

''ایسا سچ جس سے کسی کی جان کو خطرہ ہو امن عامہ میں فساد برپا ہونے کا خدشہ ہو، ایسے سچ کے اظہار سے پرہیز کرنا چاہئے اور ایسے موقعہ پر اگر جھوٹ بولنے سے کسی کی جان بچتی ہو تو جھوٹ بولنے میں کوئی برائی نہیں اور میں نے تمہیں اپنے ساتھ شامل کر کے یہ جھوٹ بول دیا۔''

سقراط نے پروفیسر رمزے اور شیبا کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا کر کہا......

''اگر میں ایسا نہ کرتا تو ہمارے ان دونوں مہمانوں کو کچھ دن جیل میں کاٹنے پڑتے۔''

پروفیسر رمزے اور شیبا نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دونوں کی آنکھوں میں ایک انوکھی چمک تھی۔ سقراط نے پھر دونوں کی طرف دیکھا اور بات جاری رکھی......

''میں نہیں جانتا کہ ان دونوں کا آپس میں کیا رشتہ ہے لیکن دونوں کو کوئی ڈوری آپس میں باندھے ہوئے ہے۔''

سقراط نے افلاطون کی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا......

''شاید ایسی ہی کوئی ڈوری جس سے میں اور تم بندھے ہوئے ہیں۔''

شیبا نے یہ سن کر اپنا سر جھکا لیا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ پروفیسر رمزے نے اس کی طرف دیکھا دو آنسو شیبا کی آنکھوں سے رخساروں پر ڈھلک رہے تھے۔ پروفیسر رمزے نے اس سے پہلے کہ وہ زمین پر گریں اپنا ہاتھ آگے کر دیا اور آنسوؤں کے دونوں قطرے اپنی ہتھیلی پر لے لئے۔ شیبا نے آنکھیں اٹھا کر پروفیسر رمزے کی طرف دیکھا۔ پروفیسر رمزے نے آنسوؤں والی ہتھیلی کو غور سے دیکھا اور پھر اپنی ہتھیلی سے اپنا ماتھا ملنے لگا۔ صرف سقراط کن انکھیوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا اور شیبا سقراط کو دیکھ رہی تھی۔ افلاطون نے زیتون کے تیل کا ایک بڑا مشکیزہ کھول کر تھوڑا سا تیل پلیٹ میں نکالا اور پھر اپنے ہاتھوں میں تیل کے چند قطرے لے کر اپنے چہرے پر ملے اور سقراط کی طرف دیکھ کر بولا......

''یہ دونوں جو اپنے حال ہمارے ماضی اور مستقبل کا حال جانتے ہیں ان کا اب کیا کیا جائے؟''

سقراط نے پروفیسر رمزے اور شیبا کی طرف دیکھا اور کہنے لگا......

''تم نے ٹھیک کہا۔ ارسٹوفینیز عدالت سے زہریلے بھڑ کی طرح باہر نکل گیا تھا۔ وہ ضرور ہم میں سے کسی نہ کسی کو کاٹنے کی کوشش کرے گا۔''

یوری پیڈیز بولا......

''ہمیں تو کئی بار کاٹ چکا ہے۔ اس کا نزلہ شاید ان دونوں پر گرے۔''

پروفیسر رمزے نے بڑی عقیدت سے تمام بیٹھے ہوئے میزبانوں پر ایک نظر ڈالی اور کہا......

''ہم یہاں سے واپس چلے جائیں گے۔ ہمیں یہاں آکر اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی حاصل ہوگئی ہے۔ جس کے بارے میں ہم نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔''

سب پروفیسر کی بات سن رہے تھے۔

''سوائے آپ کے ہمیں سب نے بے وقوف سمجھا۔ ہماری باتیں سن کر ہمیں پاگل کا خطاب دیا۔ اپنی دنیا میں جا کر جب ہم یہاں کی باتیں کریں گے تو یہی خطاب ہمیں وہاں بھی ملیں گے۔''

سقراط نے مسکرا کر کہا......

''سچے آدمیوں کو یہ خطابات ملا ہی کرتے ہیں۔ ہنس کر قبول کر لینا۔''

پھر سقراط نے شیبا کی طرف دیکھ کر کہا......

''میں تو اپنی بیوی کو خوش نہیں رکھ سکا، تم اسے خوش رکھنا۔''

سقراط کی یہ بات سن کر شیبا کو محسوس ہوا جیسے وہ پتھر کی ہو گئی ہے۔ اسے اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی اور وہ ایک طرف جھٹکا کھا کر گر گئی۔ پروفیسر رمزے نے سقراط کی بات کا کیا جواب دیا اسے کچھ پتہ نہیں چلا۔ بس اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اسے کسی نے اٹھا کر کسی بستر نما چیز پر لٹا دیا ہے۔

کچھ دیر بعد اسے ٹھنڈی ہوا کا احساس ہوا اور اسے محسوس ہوا جیسے وہ ہوا میں اڑ رہی ہے۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس کا سر پروفیسر رمزے کے شانے پر تھا اور وہ دونوں ایک بگھی میں بیٹھے تھے جسے یوری پیڈیز کا نوکر چلا رہا تھا۔ شیبا کا تھیلا اس کی گود میں رکھا تھا۔ اس نے حیران ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ پروفیسر رمزے نے مسکرا کر کہا۔

''ہم واپس جا رہے ہیں۔''

شیبا نے بے ساختہ انداز میں پوچھا......

''مگر کیوں سر۔ کیا ہم ساری عمر یہاں نہیں رہ سکتے؟''

پروفیسر رمزے نے مسکرا کر کہا......

''خوبصورت خواب زیادہ لمبا نہیں ہوتا۔''

شیبا نے پروفیسر رمزے کی بات سن کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

....

ٹکوری سے ہاتھ چھڑا کر روکی نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ دو تین عورتوں سے ٹکرایا۔ دو آدمی سے اس کی ہاتھا پائی ہوئی۔ ایک بوڑھے نے اس کے سر پر اپنی چھڑی سے زوردار ضرب لگائی مگر روکی نے رکنے کا نام نہیں لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ شہری آبادی سے باہر نکل آیا۔ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر اپنی سانس درست کی اور سوچنے لگا، اب میں کہاں جاؤں۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ پروفیسر رمزے اور شیبا کو ڈھونڈنا فضول ہوگا۔ وہ کبھی نہ کبھی ضرور غار کے دہانے پر آئیں گے۔ مجھے وہاں بیٹھ کر ان کا انتظار کرنا چاہئے لیکن غار کہاں ہے اسے پتہ نہیں تھا۔ ابھی وہ اسی ادھیڑ پن میں تھا کہ سامنے سے اسے دو آدمی آتے دکھائی دیئے۔ جب وہ قریب آ گئے تو روکی کھڑا ہو گیا اور ہاتھ کے اشارے سے انہیں رکنے کے لئے کہا۔ وہ دونوں رک گئے۔ روکی ان کے قریب آ کر بولا ......

''میں ایتھنز میں اجنبی ہوں۔ میں یہاں کے راستوں سے ناواقف ہوں لیکن اگر میں وہاں پہنچ جاؤں جہاں پہاڑوں میں غاروں کا ایک طویل سلسلہ دور تک پھیلا ہوا ہے تو میں وہاں جا سکتا ہوں جہاں سے میں آیا ہوں۔''

دونوں آدمیوں نے اس کی باتیں غور سے سنیں اور پھر ان میں سے ایک آدمی نے کہا......

''تم غاروں کے بہت قریب آ گئے ہو۔ سیدھے چلے جاؤ۔ یہ راستہ تمہیں ان غاروں تک لے جائے گا۔''

وہ یہ کہہ کر دائیں طرف جانے والے راستے پر چل دیئے اور روکی ان کے بتائے راستے پر تیز تیز قدم چلنے لگا۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ روکی نے سورج کی طرف دیکھ کر اندازہ لگایا کہ کم از کم ایک گھنٹہ وہ اس کی روشنی میں چل سکتا ہے۔ اس نے اپنی رفتار تیز کر دی اور واقعی سورج غروب ہونے سے دس پانچ منٹ پہلے وہ غاروں کے طویل سلسلے کے سامنے کھڑا تھا۔ اسے وہ غار ڈھونڈنے میں زیادہ دقت محسوس نہیں ہوئی جہاں اس نے اپنی گٹار نشانی کے طور پر چھوڑی تھی۔ وہ اپنی گٹار کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ جوتے اتار کر اپنے پاؤں سہلانے لگا۔ وہ پتھر سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر کے ان حالات کے بارے میں سوچنے لگا جن سے وہ گزشتہ مختصر وقت میں گزرا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور ایک فلم اس کے سامنے چل رہی تھی۔ فلم کا سلسلہ وہاں جا کر ٹوٹا جب جج نے سقراط کی تائید کی اور پروفیسر رمزے اور شیبا کی شادی پر عدالتی مہر لگا دی۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ اندھیرا ہو چکا تھا اور عجیب ہُو کا عالم چاروں طرف طاری تھا۔ روکی کو پہلی بار ایک خوف سا محسوس ہوا۔ غاروں کے کھلے منہ اس پر عجیب خوف سا طاری کر رہے تھے۔ اچانک دور سے اسے روشنی کا ایک ستارہ سا اندھیرے میں چمکتا محسوس ہوا۔ یہ روشنی قریب سے قریب تر ہوتی گئی

اور پھر گھوڑوں کی ٹاپیں بھی سنائی دینے لگیں۔ روکی کھڑا ہو گیا اپنا گٹار پتھروں سے نکال کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اگر کوئی خطرہ اس پر جھپٹا تو وہ غار کے اندر داخل ہو کر دوڑ لگا دے گا۔ روشنی اور گھوڑوں کی ٹاپیں اب بہت قریب آ گئی تھیں اور پھر ایک بگھی جس میں دو گھوڑے جتے ہوئے تھے اس سے ذرا فاصلے پر آ کرر کے۔ ایک عورت اور ایک مرد اس بگھی سے اترے۔ روکی کے چہرے پر خوف کی بجائے اطمینان لہرانے لگا...... یہ پروفیسر رمزے اور شیبا تھے...... روکی دوڑ کر ان کے قریب چلا گیا۔ پروفیسر رمزے نے روکی کو دیکھ کر پوچھا......

''روکی تم کہاں چلے گئے تھے؟''

روکی نے شیبا اور رمزے کو بہت پیار سے دیکھا اور بولا......

''سر بہت لمبی کہانی ہے۔ فرصت میں بیٹھ کر سناؤں گا۔''

''لیکن تم نے ہمیں ڈھونڈنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ ہم نے تمہیں بہت Miss کیا روکی۔'' شیبا نے روکی کے پاس آ کر کہا۔

روکی نے شیبا کی طرف غور سے دیکھا اور بولا......

''جب سقراط نے تم لوگوں کی شادی کی گواہی دی تو میں وہاں موجود تھا۔ مگر کسی کی قید میں تھا۔''

شیبا نے دیکھا روکی کی آنکھوں میں پہلے والا اکھڑ پن اور شرارت نہیں تھی۔

یوری پیڈیز کے ملازم نے تین مشعلیں جلا کر تینوں کے ہاتھوں میں پکڑا دیں اور کہا......

''یہ رات بھر آپ کا ساتھ دیں گی۔ ان میں ایسا مواد لگا ہوا ہے جو جلتا ہے مگر چھ گھنٹے سے پہلے ختم نہیں ہوتا۔''

یہ کہہ کر وہ اپنی بگھی پر بیٹھا اور گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتا ہوا اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ روکی، شیبا اور پروفیسر غار میں داخل ہو گئے۔

روکی، شیبا اور پروفیسر رمزے تینوں ہاتھوں میں مشعلیں تھامے راستہ طے کر رہے تھے اور چپ تھے۔ شاید گزرے وقت کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

روکی ٹکوری کے ساتھ گزارے وقت کے بارے میں سوچ سوچ کر شرمندگی محسوس کر رہا تھا اور ڈر رہا تھا کہ کہیں پروفیسر رمزے اور شیبا کے کان میں اس کی بھنک نہ پڑ جائے ...... پروفیسر رمزے بے حد خوش تھے کہ وہ سقراط، افلاطون اور یوری پیڈیز کے مہمان بن کر ان کی باتیں سن کر ان کی خوشبو اپنے احساس میں رچا کر واپس جا رہے ہیں۔ شیبا بہت خوش تھی کہ وہ دنیا کی سب سے خوش قسمت لڑکی ہے جو کام وہ زندگی بھر نہیں کر سکتی تھی وہ کام سقراط اور افلاطون نے کر دیا۔ سارے رستے وہ اپنے کاندھے پر لٹکے تھیلے کو مضبوطی سے پکڑ کر چلتی رہی ...... اس نے محسوس کیا جو رستہ جاتے ہوئے بہت طویل اور لمبا محسوس ہو رہا تھا وہ واپسی پر بہت جلد طے ہونے والا ہے۔ کیونکہ سامنے غار کا دہانہ صاف نظر آ رہا تھا۔ ہواؤں کے ٹھنڈے جھونکے بڑی تیزی سے غار میں داخل ہو رہے تھے ...... اور ان کے سامنے سورج کی کرنیں چمک رہی تھیں۔ تینوں نے حیرانی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ روکی نے بڑی حیرت سے کہا......

''سر یہاں تو سورج طلوع ہو رہا ہے۔''

شیبا نے کہا......

''اور ہم رات کو غار میں داخل ہوئے تھے۔''

پروفیسر رمزے نے مسکرا کر کہا......

''حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ حیران تو تمہیں اس وقت ہونا پڑے گا جب تم اپنے لوگوں کا سامنا کرو گی۔''

جب پروفیسر رمزے نے یہ بات کہی تو وہ غار سے باہر آ چکے تھے۔ غار کے دہانے کے سامنے طالب علموں کا ایک ہجوم کھڑا تھا۔ یونیورسٹی کے ملازمین وائس چانسلر، پروفیسرز اور پولیس کی بڑی تعداد انہیں غار سے باہر نکلتے دیکھ رہی تھی۔

وہ تینوں حیران لوگوں کو اور لوگ انہیں حیرت سے تک رہے تھے۔ وائس چانسلر نے اپنے پروفیسرز کو دیکھا۔ پولیس والے آگے بڑھے۔ وائس چانسلر پروفیسر رمزے کی طرف دیکھ کر بولا......

''پروفیسر رمزے آپ تینوں کہاں غائب ہو گئے تھے۔ 84 گھنٹے ہم نے اس علاقے کا چپہ چپہ چھان مارا ہے۔ آپ کی تلاش میں؟''

روکی نے پروفیسر رمزے اور پروفیسر رمزے کی طرف دیکھا۔ وائس چانسلر نے پھر تینوں پر ایک نظر ڈالی اور کہا......

''یہ غار۔ ساڑھے تین دن۔ تم لوگوں کی گمشدگی آخر یہ کیا قصہ ہے؟''

پروفیسر رمزے نے مسکرا کر کہا......

''یہ قصہ سنانے کے لئے ہمیں وقت چاہئے۔ فی الحال یہ کافی ہے کہ ہم واپس آ گئے۔ کل یونیورسٹی کے ہال میں ساری داستان سنائی جائے گی۔''

وائس چانسلر نے پروفیسر رمزے کا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف لے گئے۔

لڑکے لڑکیوں نے روکی اور شیبا کو گھیر لیا۔

....

یونیورسٹی کا بڑا ہال طالب علموں، یونیورسٹی کے پروفیسروں اور پریس والوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ تینوں کی گمشدگی کی خبریں قومی اخبارات میں مسلسل چھپتی رہی تھیں۔ کچھ اخبارات نے ان کی گمشدگی کو اغواء بھی ظاہر کیا تھا۔ سٹوڈنٹس کے والدین کی بھاری تعداد ہال میں موجود تھی اور سب منتظر تھے کہ وہ سن سکیں کہ پروفیسر رمزے روکی اور شیبا کے ساتھ آخر کون سا حادثہ پیش آیا ہے۔

اسٹیج پر پروفیسر رمزے، شیبا اور روکی بیٹھے تھے اور ان کے ساتھ فیکلٹی آف آرٹس کے چیئرمین، وائس چانسلر، یونیورسٹی کے پروفیسرز اور لٹریری ڈیپارٹمنٹ کے صدر مسٹر خان...... فیکلٹی آف آرٹس کے چیئرمین ڈائس پر آئے اور بات شروع کی۔

"لیڈیز اینڈ جنٹلمین۔

پروفیسر رمزے اپنے دو طالب علموں روکی اور شیبا کے ساتھ 3½ دن پراسرار طور پر غائب رہے۔ وہ کہاں تھے، ان کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا، یہ وہ خود ہی بتائیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گئے اور پروفیسر رمزے کی طرف دیکھا۔

پروفیسر رمزے نے شیبا کی طرف اور روکی کی طرف دیکھا اور پھر اٹھ کر ڈائس پر چلے گئے۔ پروفیسر نے ہال میں بیٹھے لوگوں پر نظر ڈالی اور بولے ......

''خواتین وحضرات۔

''میں آپ سے کچھ ناقابل یقین باتیں کرنے جا رہا ہوں ایسی باتیں جنہیں سن کر آپ ہمیں پاگل کہیں گے ہم تینوں خود بھی ساڑھے تین دن میں رونما ہونے والے واقعات اور ان لوگوں کو جن سے ہم مل کر آئے ہیں ایک خواب، ایک سپنا سمجھ رہے ہیں۔''

سب لوگ پروفیسر کی طرف حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ پروفیسر رمزے نے اپنی ٹائی کی Knot کو درست کیا اور اپنی بات جاری رکھی۔

''ہم ساڑھے تین دن ڈھائی سو سال قبل مسیح کے زمانے میں گزار کر آئے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جس زمانے میں سقراط، افلاطون اور یوری پیڈیز زندہ تھے۔''

پروفیسر رمزے کی یہ بات سن کر ہال میں سرگوشیوں کا ایک طوفان پل بھر میں ابل پڑا اور سرگوشیوں میں ہنسی اور قہقہوں کی آواز بھی شامل ہوگئی۔ روکی اور شیبا کے چہروں پر غصہ تھا لیکن پروفیسر رمزے مسکرا رہے تھے۔

''آپ کو یقین نہیں آ رہا۔ جب سقراط اور افلاطون کے ساتھ ہم نے جمنازیم میں بیٹھ کر باتیں کیں تو وہ بھی ہماری دنیا کی باتیں سن کر اسی طرح ہمارا مذاق اڑا رہے تھے جس طرح آپ اڑا رہے ہیں۔''

وائس چانسلر نے یونیورسٹی کے پروفیسرز پر نظر ڈالی وہ ہنس رہے تھے۔

انہیں ہنستا دیکھ کر وائس چانسلر نے بھی ہنسنا شروع کر دیا اور پھر پورا ہال اونچے اونچے قہقہوں سے بھر گیا۔ روکی اور شیبا پسینے سے شرابور تھے۔ روکی نے اٹھ کر کوئی بات کرنا چاہی تو پروفیسر رمزے نے اسے روک دیا۔ قہقہے ذرا رکے تو پروفیسر رمزے بولے......

"پلیز ہمارے سچ کا مذاق نہ اڑائیں۔ جو میں کہہ رہا ہوں اس میں ذرہ بھر بھی جھوٹ شامل نہیں۔ روکی اور شیبا میری ہر بات کے گواہ ہیں۔"

اور پھر پروفیسر رمزے نے شروع سے لے کر آخر تک ساری کہانی سنا دی۔ لوگوں نے خاموشی سے پوری کہانی سنی اور ایک حیرانی اور چپ کی فضا پورے ہال پر طاری ہو گئی۔ پروفیسر رمزے واپس اپنی کرسی پر جانا چاہتے تھے کہ لٹیریری ڈیپارٹمنٹ کے صدر مسٹر خان کھڑے ہوئے اور کہا......

"پروفیسر رمزے آپ بہت تھک گئے ہیں۔ شاید 3½ دن آپ نے جاگ کر گزارے ہیں اس لئے یہ اوٹ پٹانگ کہانی ہمیں سنا رہے ہیں۔ گھر جا کر آرام کیجئے۔ ہمارا وقت ضائع نہ کریں۔"

مسٹر خان یہ کہہ کر بیٹھ گئے۔ ایک دوسرا پروفیسر اٹھا اور کہنے لگا......

"میں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں پروفیسر رمزے؟"

پروفیسر رمزے نے اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھ کر کہا......

"جی فرمایئے؟"

"آپ ساڑھے تین دن ایتھنز میں رہے۔ سقراط اور افلاطون سے

ملاقات کی۔ یوری پیڈیز کے مہمان رہے۔ ان تمام باتوں کا کوئی ثبوت؟''

پروفیسر رمزے نے مایوس لہجے میں کہا......

''ثبوت۔ ایسا ثبوت تو میرے پاس کوئی نہیں۔''

سرگوشیوں کی آواز ایک بار پھر ہال میں گونجی۔ روکی نے شیبا سے کوئی بات کہی۔ وہ چونکی۔ اس کا تھیلا اس کے سامنے پڑا تھا۔ اس نے تیزی کے ساتھ اسے کھولا اور کھڑی ہوگئی اور چلا کر بولی......

''ثبوت میرے پاس ہے سر۔ ہے میرے پاس ثبوت۔''

تمام ہال شیبا کی آواز سن کر خاموش ہوگیا اور شیبا کی طرف دیکھنے لگا۔ شیبا کرسی چھوڑ کر پروفیسر رمزے کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی اور تھیلے سے وہ چمڑے کی دستاویز نکال کر لوگوں کے سامنے لہرائی۔

''یہ ثبوت ہے میرے پاس۔''

ہال میں بیٹھے ایک پروفیسر نے پوچھا......

''کیا ہے یہ؟''

''میری اور پروفیسر رمزے کی شادی کا اعلان نامہ۔'' شیبا کی آنکھوں سے آنسو ڈھلک کر اس کے رخساروں پر آ گئے۔

شیبا کی یہ بات سن کر وائس چانسلر، پروفیسرز، اخبار نویسوں اور لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے اور شیبا نے اعلان نامہ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر لوگوں کو دکھایا اور بولی......

''شادی کا یہ اعلان نامہ جس پر سقراط اور افلاطون کے دستخط موجود ہیں اور ایتھنز کی عدالت کی تصدیقی مہر لگی ہے۔''

روکی اپنی کرسی سے اٹھا اور شیبا کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور بولا......

''میں اس کی تائید کرتا ہوں کیونکہ جب یہ اعلان نامہ سقراط نے عدالت میں پیش کیا تو میں عدالت میں موجود تھا۔''

ہال کے تمام لوگوں کو سانپ سونگھ گیا۔ صرف سانسوں کی آواز آ رہی تھی۔

پروفیسر رمزے نے شیبا کو دیکھا اور پھر روکی اور شیبا کو اپنی بغل میں لے کر اسٹیج سے اترے اور ہال سے باہر چلے گئے۔

....

ذخیرہ کتب

انیس نقوی

دوسرے دن قومی اخباروں میں سب سے اہم خبر پروفیسر رمزے کی ایتھنز یاترا کی تھی جسے شہ سرخیوں کے ساتھ چھاپا گیا تھا اور پہلے صفحہ پر شادی کا وہ اعلان نامہ چھپا تھا جو یونانی زبان میں تھا جس پر سقراط اور افلاطون کے دستخط تھے۔

روکی نے پروفیسر رمزے اور شیبا کے اعزاز میں اپنے فارم ہاؤس میں ایک زبردست پارٹی کا اہتمام کیا جس میں شیبا کی ماں نے رمزے اور شیبا کی شادی کی تاریخ کا اعلان کرنا تھا۔ پروفیسر رمزے ایک بڑی ٹیبل پر شیبا کے ساتھ بیٹھے تھے۔ روکی انہیں Serve کر رہا تھا اور بار بار کہہ رہا تھا......

''سر مجھے اب تک یقین نہیں آ رہا۔''

پروفیسر رمزے نے مسکرا کر کہا...... ''یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا۔''

شیبا نے دونوں کی طرف دیکھ کر کہا......

''شادی کا اعلان نامہ دکھاؤں؟''

اور تینوں نے زوردار قہقہہ لگایا اور دیر تک قہقہے لگاتے رہے......!

............☆☆☆............

عقیل روبی کا جو اسلوب تحریر ہے وہ آج کل تقریباً ناپید ہے۔ وہ کھرا اور متاثر کرنے والا ادیب ہے۔ اس کی تحریر پڑھ کر مجھے تو اُردو ادب کے عظیم افسانوی نثری عہد کی یاد آ جاتی ہے۔

اصغر ندیم سید

روبی۔ تم جس پر لکھتے ہو اس کی خامیاں اور خوبیاں اس کی ذات میں اتر کر ڈھونڈ نکالتے ہو۔ خاکہ نگاروں میں بس تم ہی تم ہو۔ باقی اللہ ہی اللہ

محسن نقوی

عقیل روبی نے غزل، نظم، منظوم ڈرامے، خاکہ، تراجم اور ناول نگاری جیسے مختلف میدانوں میں طبع آزمائی کر کے اپنی بے پناہ صلاحیتوں کو تسلیم کرایا ہے۔

عباس تابش

یہ عقیل روبی کی جادوگری ہے وہ بتوں کو نہ صرف تراشتا ہے بلکہ ان میں روح پھونکتا ہے۔

یعقوب ناسک

احمد عقیل روبی رسول حمزہ توف کی طرح تصویروں اور تمثالوں سے ترسیل معانی کا کام لیتے ہیں ان کی پیش کردہ تصویریں Still فوٹوگرافی نہیں بلکہ وہ زندگی کو مکمل اور متحرک دکھاتے ہیں۔

باقر علی شاہ



تمہاری تحریر جادو ہے ۔اللہ کی دین ہے میں تمہاری کتاب پر تبصرہ نہیں کروں گا کیونکہ تمہاری تحریر میری تحریر سے زیادہ جاذبِ نظر ہے۔

ممتاز مفتی

عقیل روبی بڑا چاتر قلم کار ہے اس کو بات بنانے اور کہانی کہنے کا انوکھا طریقہ آتا ہے جسے تحریر اور تقدیر کے درمیانی اسلوب کا نام دیا جا سکتا ہے۔اس کی تحریر پڑھ کر کبھی ہم رک کر اسے سننے لگتے ہیں اور کبھی کبھی اس کی باتیں سنتے سنتے اس کی لکھت کے ڈزالو (Dissolve) میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔

اشفاق احمد خان

عقیل روبی اپنی پیدائش کے ہاتھوں مار کھا گئے۔اتنی تاخیر سے پیدا ہوئے کہ اب ناول لکھنے پر مجبور ہیں۔بھلے زمانے میں پیدا ہوئے ہوتے مثلاً میر باقر علی داستان گو کے زمانے میں تو میر باقر علی کی ٹکر کے داستان گو ہوتے۔

انتظار حسین